شام کی دہلیز پر

پھر کسی کی یاد سے مہکی ہَوا
آ رکی ہے شام کی دہلیز پر

ارشد محمود ارشد

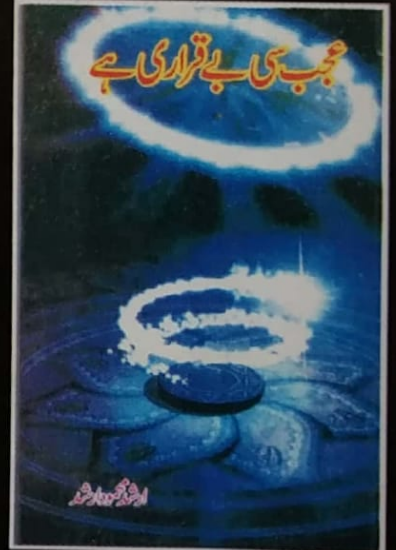
تمہاری یاد کا موسم

ارشد محمود ارشد

کبھی میں یاد آؤں تو

ارشد محمود ارشد

(مغل پبلشنگ ہاؤس لاہور)



اُٹھ کے در سے ترے یوں بھٹکتا رہا
جیسے پردیس میں دربدر اجنبی



شام کی دہلیز پر

ارشد محمود ارشد

پھر کسی کی یاد سے مہکی ہَوا
آ رکی ہے شام کی دہلیز پر

شام کی دہلیز پر

ارشد محمود ارشد

مغل پبلشنگ ہاؤس، لاہور

کتاب کا نام	:	شام کی دہلیز پر
شاعر	:	ارشد محمود ارشد
اشاعت	:	جنوری 2014ء
قیمت	:	200 روپے
مینجنگ ڈائریکٹر	:	عابد علی (0320-4683760

ناشر: فوزیہ مغل
+9203004683760

مغل پبلشنگ ہاؤس، لاہور

اہتمامِ اشاعت: عظیم زاہد، کیف زاہد
736۔ یاسر بلاک نشتر کالونی، فیروز پور روڈ، لاہور
E,mail: fozia_mughal22@yahoo.com
mughal.publishers@gmail.com

رابطہ

ارشد محمود ارشد

0300-6008622_ 03339801168

Arshadmahmoodpk99@yahoo.com.

facebook;

Arshadmahmoodpk99@yahoo.com.

انتساب:

سحر، طلحہ اور ردا

کے نام

فہرست

شام کی دہلیز پر

اجتماعی استعارے کا انفرادی اظہاریہ

عصرِ حاضر میں شعری معیارات کے تقاضوں کا تعین کرنا اتنا آسان کام نہیں (اور ایک حوالے سے شاید اس کی ضرورت کا تسلی بخش جواز تلاش کرنا ممکن بھی نہ ہو) تاہم ہر عہد کی سچائی لفظ اور معنی کے گرم جوش تخلیقی عمل میں ڈھل کر نئے فکری وفنی تناظرات کو دریافت کرتی ہے۔ یہاں یہ سوال اپنی جگہ اہمیت کا حامل ہے کہ کیا کسی حتمی اور اور قطعی سچائی کا وجود بھی ممکن ہے؟ اِس کا جواب ممکن ہے کسی خاص ڈسکورس میں دیا جا سکے تاہم صورتِ حال تو ,, یاں وہی ہے جو اعتبار کیا ،، سے آگے بڑھتی ہوئی نظر نہیں آتی۔ سچائی اور معنی کی یہ اضطراری کیفیت امکانات کا اولین سرمایہ ہے تا ہم یہ بات مدِ نظر رہنی چاہئے کہ امکانات کا یہ سلسلہ کسی سیاسی' سماجی' ثقافتی اور معاشی ایجنڈے کی بجائے تخلیق کی جمالیاتی اقدار سے ہم آہنگ ہونا چاہئے۔ فنونِ لطیفہ میں شاعری اِنہی جمالیاتی اقدار کی تجسیم کا اعلیٰ ترین اظہاریہ ہے یہ شعری اظہاریہ ادب برائے ادب کی نمائندگی کرتا ہو یا ادب برائے زندگی کا آئینہ دار ہر دو صورتوں میں اگر وہ تخلیقِ حسن کا فریضہ انجام نہیں دے رہا تو وہ لفظوں کا ایک ڈھیر تو ہو سکتا ہے زندہ اور جیتا جاگتا شعری فن پارہ نہیں ہو سکتا۔

یہ بھی ایک حقیت ہے کہ شعری تجربے کا ظہور ادبی مراکز کا محتاج نہیں بلکہ بعض اوقات تو ادبی مراکز سے مناسب دوری اصلی تخلیقی جوہر کو باہر لانے میں مددگار ثابت ہوتی ہے ادبی مراکز میں شہرت کی چکا چوند اور ہوس عام طور پر تخلیق کار کی سنجیدگی اور متانت کے لیے زہرِ قاتل ثابت ہوتی ہے بہت کم تخلیق کار اِس کی زد سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوتے ہیں ورگرنہ بیشتر لکھنے والے اپنی تخلیق کے حسن سے زیادہ اُس کی شہرت کی خواہش میں گم رہتے ہیں اگر چہ ہمارے یہاں ادبی

مراکز، مضافات اور دبستان جیسے الفاظ عمومی طور پر استعمال کیے جاتے ہیں تاہم یہ الفاظ دھڑے بندی کا شاخسانہ تو ہو سکتے ہیں ادبی معیارات کو جانچنے کا ذریعہ نہیں بن سکتے، سرگودھا اِس اعتبار سے اہم شہر ہے کہ یہاں ادبی مرکز اور مضافات کا باہمی امتزاج پایا جاتا ہے سرگودھا کا عمومی شعری مزاج سنجیدگی اور تخلیق کار کی شعری کمٹ منٹ پر منحصر ہے یہی وجہ ہے کہ سرگودھا میں رجحان ساز لکھنے والوں کی ایک کھیپ نظر آتی ہے ڈاکٹر وزیر آغا، شکیب جلالی، غلام جیلانی اصغر، ارشد ملک، شاکر کنڈان، ذوالفقار احسن، عاشر وکیل راؤ اور اِس انداز کے بہت سے لکھنے والے ایک نسل سے دوسری نسل تک اپنا تخلیقی سرمایہ منتقل کرتے نظر آتے ہیں جبکہ نوجوانوں میں ارشد محمود ارشدؔ ایک تازہ دم تخلیق کار کے طور پہ اپنی شناخت رکھتے ہیں

"شام کی دہلیز پر" ارشد محمود ارشد کا تیسرا مجموعۂ کلام ہے جس میں اُنہوں نے اپنے اُسلوب کے بیان سے کلاسیکی الفاظ واستعارات اور جدید عصری حسیت کو یکجا کرنے کی کوشش کی ہے خیام، گوہر، عدو کی سازش، پسِ دیوار، مقتل، کوزہ گر، رُباب، چاک، صیاد، اور اِس انداز کی شعری لفظیات کلاسیکی غزل اور جدید اندازِ شعر سے اُن کی دلچسپی کو ظاہر کرتی ہے

اگر ہم موجودہ سماجی معاشرتی صورتِ حال کا جائزہ لیں تو ایک بات واضح طور پر ہمارے سامنے آتی ہے کہ آج پاکستانی معاشرتی ڈسکورس کا غالب حصہ مرنے، فنا ہونے یا مار دینے کے رُجحانات کی عکاسی کرتا ہے روز بروز جنم لیتے سیاسی اور معاشرتی المیے ہماری خوشیوں کے آنگن کو اُجاڑتے چلے جا رہے ہیں اِس پر طرۂ یہ کہ نااہل حکمران، کمزور ہیئت مقتدرہ، شدت پسندی، خودکش بم دھماکے، کرپشن، لوٹ مار، غرض یہ سب کچھ جو ہمارے معروض میں وقوع پذیر ہو رہا ہے وہ کسی نہ کسی طرح سے ہمارے شاعر کا تخلیقی تجربہ بھی بنتا ہے ایسے معاشرے میں کسی شاعر سے یہ توقع کرنا کہ وہ صورتِ حال سے ہٹ کر محض "گل بُلبُل" اور "سب اچھا ہے" کا راگ الاپے ممکن نظر نہیں آتا۔ تاہم شاعری حسن کاری کا نام ہے اور شاعر اِس اذیت ناک صورت میں بھی ایک ایسا جمالیاتی جہان تخلیق کرتا ہے جو پُرسوز حالات اور پُردرد صورتِ حال میں بھی اُمید اور روشنی کا پیغام لے کر آتا ہے

ارشد یقیناً اِسی سوسائٹی کا حصہ ہے اُس کا موضوعاتی سرمایہ آسمان سے نہیں اُترا بلکہ وہ اپنے معاشرے، ماحول، ذات اور وقت کے اندر جھانک کر اپنا شعری تجربہ تلاش کرتا ہے اور اُسے سادہ مگر پُر اثر انداز میں بیان کرنے کا ہنر بھی رکھتا ہے

ہوا کا زور کچھ ٹوٹا ہے ارشدؔ
چلو آؤ کریں پرواز پھر سے

روح کا پنچھی بدن کی قید سے اُکتا گیا
یہ غنیمت ہے کہ ارشدؔ در کھلا یادوں کا ہے

پاؤں میں ارشدؔ مرے زنجیر تھی
پھر بھی میں آوارگی کرتا رہا

اُس کو آخر موت آئی جس نے بھی
زندگی کو زندگی سمجھا نہیں

میری دھرتی میں تم بارود بو کر
نہ چھینو دولتِ باغات مجھ سے

کچھ ایسا خوف پھیلایا ہوا ہے بم دھماکوں نے
نکل جاتی ہے ارشد اب تو اپنی جان آہٹ پر

خزائیں خواہشوں کو کھا گئی ہیں
فسردہ ہو گئے باغات مجھ میں

ابھی اِس دھوپ سے لڑنا پڑے گا
لگانے ہیں بہت باغات مجھ کو

''شام کی دہلیز پر''، محض کتاب کا عنوان ہی نہیں بلکہ یہ ایک بامعنی استعارے کا عنوان بھی ہے شام دن اور رات کے امتزاجی منظر کی عکاس ہوتی ہے اِس میں ایک خاص طرح کی رومانوی فضا اور اُداسی کا عنصر بھی غالب ہوتا ہے ارشدؔ نوجوان شاعر ہیں اور اِس عمر میں اُداسی کے لمحات عموماً آتے رہتے ہیں یہ ذاتی تجربہ اُن کی شاعری کا عمومی رویہ ہے اِس استعارے کا ایک بامعنی پہلو اِس کا اجتماعی زاویہ بھی ہے ارشد نے یہاں شام کو ہماری اجتماعی زندگیوں کے تجربے کے طور پر برتا ہے ہم بحثیت اجتماع، اخلاقی، ذہنی، فکری، تاریخی اور ثقافتی موت کی طرف رفتہ رفتہ بڑھ رہے ہیں وہ اجتماعی زندگی جہاں خوشیوں اور کامیابیوں کے نقارے بجنے چاہیئے تھے اب اُس کے برعکس وہاں شام کا آخری منظر دِکھائی دے رہا ہے شام کی دہلیز پر ہماری آمد انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی ہے اور یہ سب جانتے ہیں کہ شام کے بعد رات کا گہرا اور گھمبیر سناٹا سارے منظروں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے یہاں دن کی روشنی، اُمیدوں کے چراغ اور اچھے دِنوں کے خواب سب کے سب اندھیرے کے ہاتھوں مات کھاتے دِکھائی دیتے ہیں ارشدؔ نے بڑی چابکدستی اور مہارت سے اِس استعارے کو استعمال کیا ہے دلچسپ بات یہ ہے کہ وہ اِس استعارے کو اِستعمال کرتے ہوئے جذباتی ہوئے ہیں اور نہ ہی اُن کے ہاں احتجاج کی کوئی صورت نظر آتی ہے بلکہ وہ تخلیقی اور جمالیاتی سطح پر چیزوں کو محسوس کرتے اور فنکارانہ انداز میں اُن کو بیان کرتے ہیں

عجب گردش میں ہیں حالات میرے
نہیں اپنے رہے اب ساتھ میرے

کہیں سے اُس کی خوشبو آ رہی ہے
مرے قابو نہیں جذبات میرے

صبح دم جس روشنی پہ ناز تھا
اب کھڑی ہے شام کی دہلیز پر

پھر کسی کی یاد سے مہکی ہَوا
آ رکی ہے شام کی دہلیز پر

آگ پانی کے برابر نہیں ہونے دیتا
عشق صحرا کو سمندر نہیں ہونے دیتا

کچھ تو میرا یہ مقدر نہیں ہونے دیتا
اور کچھ کام ستمگر نہیں ہونے دیتا

نور آنکھوں کا لُٹ گیا ارشدؔ
اب میں سمجھا کہ تیرگی کیوں ہے

ارشد محمود ارشدؔ نے اپنے شعری تجربے کے لیے جن لفظیات کا انتخاب کیا ہے وہ لفظیات معنی کی دورنگی لیے ہوئے ہیں اُس کا رجحان اور مزاج کلاسیکیت کی طرف ہے تاہم نئی شعری صورتِ حال اور نئے شعری پیمانوں سے بھی وہ باخوبی آگاہ ہے میں یہ نہیں کہتا کہ ارشد نے اِن دونوں کے بیچ میں ایک ایسا نقطۂ اتصال تلاش کرلیا ہے جو اُسے معنی کی ہمہ گیری ،وسعت اور

بیان کے حسن پر پوری طرح قادر کر دیتا ہے تاہم یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اُس نے اپنے ذاتی تجربے کو اپنا شعری تجربہ بنایا ہے کوئی اُس سے اتفاق کرے یا اختلاف رکھے اپنی جگہ، کوئی اُس کے شعری اسلوب کو عہدِ حاضر کی صورتِ حال سے ہم آہنگ سمجھے یا غیر آہنگ، اور کوئی اُس کے تخلیق کردہ شعری استعاروں کو قابلِ اعتنا جانے یا نہ جانے، یہ طے ہے کہ وہ اپنی دنیا خود بسانے کا خواہاں ہے ایک ایسی دنیا جہاں وہ مطلق العنان حکمران ہے اور جہاں وہ لفظ اور معنی کو اپنے تجربے کے تحت بیان کرنے کا حوصلہ بھی رکھتا ہے ایک شاعر کے لیے اُس کا اپنا تخلیق کردہ جہان ہی جہانِ معنی ہوتا ہے اور ارشد نے ''شام کی دہلیز پر'' میں اِس جہان کو تخلیق کیا ہے

بھروسہ بھربھری مٹی کے اس گھڑے پہ نہ تھا
تمہارا عشق تھا لایا ہمیں چناب کے بیچ

ارادہ نقل مکانی کا جب بھی کرتا ہوں
یہ میرے پاؤں ہی نکلتے نہیں رکاب کے بیچ

زیست یادوں سے حزیں کرتا رہا
اور میں کچھ بھی نہیں کرتا رہا

جانتا تھا وہ منافق ہے مگر
پھر بھی میں اُس کا یقیں کرتا رہا

اندھیرا اس لیے چھایا ہوا ہے
مرا سورج ابھی سویا ہوا ہے

تری آنکھیں شناسا لگ رہی ہیں
تجھے پہلے کہیں دیکھا ہوا ہے

کہاں پر ہونٹ میں نے رکھ دیے تھے
میرا سارا بدن نیلا ہوا ہے

تیری منزل ہے ارشدؔ سچ کی منزل
تبھی تو راہ میں تنہا ہوا ہے

ارشد کی زیرِ نظر کتاب میں بیشتر حصہ غزلیات پر مشتمل ہے تاہم کتاب میں شامل نظمیں بھی قابلِ توجہ ہیں یہ نظمیں اپنے موضوعات کے اعتبار سے غزلوں کا ہی تسلسل دکھائی دیتی ہیں تاہم اپنے بیان، اُسلوب اور پیش کش میں خاصی مختلف ہیں نظموں کا غالب رجحان اُن کے ذاتی تجربات پر ہی مبنی ہے تاہم یہ نظمیں پُر تاثیر انداز میں اُن کے جذبات و احساسات کی نمائندگی کرتی ہیں نظموں کا انداز اور روانی، نظموں میں استعمال کی گئی بحور اور لفظیات کی ترتیب اُن نظموں کو رومانوی نظمیں بنانے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں

مری فطرت میں ہی شاید عجب سی بے قراری ہے
ہزاروں بار سوچا بھی، کہیں سے ڈھونڈ کر لاؤں، سبب اِس بے قراری کا
مگر عقدہ یہ ایسا ہے کبھی مجھ پر نہیں کھلتا
بس اتنا یاد ہے اب تو مری آنکھوں نے بھی شاید
کبھی دن کے اُجالے میں کسی اک جل پری کا خواب دیکھا تھا
مرے مَن میں کسک جاگی، چلو اس سے کہیں ہم تم محبت بانٹ لیتے ہیں
(کوئی تعبیر دو مجھ کو)

سنو اے خوبرو لڑکی
یہاں کے سب قوی اپنا
الگ دستور رکھتے ہیں
الگ منشور رکھتے ہیں
یہاں کے ناتوانوں پر
اطاعت سب کی لازم ہے
کسی دستور کا منکر
سزائے موت کا حق دار بنتا ہے

(سزا)

اگرچہ یہ کہنا قبل از وقت ہوگا کہ یہ کتاب اپنے تخلیقی اور شعری حسن کے اعتبار سے ایک اہم موڑ ثابت ہوگی تاہم یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ یہ کتاب سرگودھا کے شعری تناظر میں اپنی جگہ ضرور بنائے گی وقت سب سے بڑا منصف ہے وہی یہ طے کرتا ہے کہ کون سا لفظ محض سطحی جذبوں سے عبارت ہے اور کون سا لفظ خونِ دِل سے لکھا گیا ہے ارشدؔ کی یہ کتاب بہرحال اُس کے خونِ دل کا ہی نتیجہ ہے

سیّد عامر سہیل
(ہیڈ آف شعبہ اُردو۔ یونیورسٹی آف سرگودھا)



حرف آغاز

,,شام کی دہلیز پر،، میرے تیسرے شعری مجموعہ کا عنوان ہے یہ میری اُسی بے قراری کا تسلسل ہے جو کہ ۲۰۰۷ء میں ''عجب سی بے قراری ہے'' اور پھر ۲۰۰۹ء میں ''کبھی میں یاد آ ؤں تو......'' کی صورت میں ادبی اُفق پر نمودار ہوئی اور اب ۲۰۱۴ء کے آغاز میں مجھے شام کی دہلیز پر لے آئی ہے

۲۰۰۷ء میں جب میرا پہلا شعری مجموعہ آپ کے سامنے پیش ہوا تو اُس وقت یقیناً آپ سے آشنائی بہت کم تھی لیکن اِس کے باوجود آپ لوگوں نے مجھے اپنی محبتوں سے خوب نوازا، انہیں محبتوں نے میرے حوصلہ بلند کیا اور میں نے ۲۰۰۹ء میں اپنا دوسرا شعری مجموعہ آپ کے سامنے رکھ دیا اِس بار بھی آپ سے خوب محبتیں سمیٹنے کا موقع ملا یہی وجہ ہے کہ ایک بار پھر آپ سے مخاطب ہوں اور اُمید رکھتا ہوں کہ شام دہلیز پر،، کی اشاعت کے بعد میرے پاس موجود محبتوں کے خزانے میں مذید اضافہ ہوگا

مجھے اپنے اُن تمام دوستوں کا شکریہ بھی ادا کرنا ہے جنہوں نے ہر قدم پر میری بھر پور حوصلہ افزائی اور رہنمائی کی

میں انتہائی ممنون ہوں جناب پروفیسر ڈاکٹر عامر سہیل کا جنہوں نے اپنی انتہائی مصروفیت کے باوجود بھی میری دلی خواہش کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اِس کتاب کا دیباچہ تحریر کیا

آپ سب کی دعاؤں کا طالب

ارشد محمود ارشد



نعت

بے بسوں کو بھلا اور کیا چاہیے
یا نبیؐ آپؐ کا آسرا چاہیے

بجھتی آنکھوں میں آجائے گی روشنی
آپؐ کے در کی خاکِ شفا چاہیے

آپؐ کے نقشِ پا چومتا چل پڑے
جس گنہگار کو بھی خدا چاہیے

میرے گھر میں اندھیروں نے قبضہ کیا
آپؐ کے نام کا اک دیا چاہیے

دل میں آلِ نبیؐ کی محبت بھرو
مومنوں گر خدا کی رضا چاہیے

گرم اشکوں سے جلتی ہیں آنکھیں مری
اِن کو دیدارِ خیرالوریٰ چاہیے

مٹتی جائیں گی ارشدؔ تری مشکلیں
کملی والے کا بس راستہ چاہیے



سلام

یہ در جو آگہی کا ہے مجھ پر کھلا ہُوا
ابنِ علیؑ کی یاد کا سب معجزہ ہُوا

وجداں مجھے بھی لے گیا کربل کی ریت پر
لکھا کہاں ہے میں نے کسی سے سُنا ہُوا

ابنِ زیاد کیسے اُنہیں منہ دکھاؤ گے
محشر میں مصطفٰے سے اگر سامنا ہوا

بڑھ کر گلے لگا لیا عالی مقام نے
قدموں میں آ گرا تھا کوئی کانپتا ہُوا

غازیؑ تیرے کمال کی میں کیا مثال دوں
تُو بھی تو مثلِ مرتضٰےؑ، شیرِ خدا ہُوا

چند بیبیاں، معصوم سے بچے اور ایک شخص
جلتے ہوئے خیام کے آگے کھڑا ہوا

سائے میں جبرائیل کے صحرا کی ریت پر
ہے فاطمہؑ کے لال کا لاشہ پڑا ہُوا



ماں

مشکل گھڑی میں اشک بہا کر پکارا ماں
اِک تو سہارا رب کا ہے یا پھر سہارا ماں

مالک نے کیا عجب تجھے رُتبہ عطا کیا
فردوس تیرے پاؤں کے نیچے اُتارا ماں

جب سے مجھے تو چھوڑ کے مُلکِ عدم گئی
آتا نظر ہے چار سُو مجھ کو خسارہ ماں

حاصل وہی ہے بس مری ساری حیات کا
جو وقت تیرے ساتھ تھا میں نے گزارا ماں

قصرِ وجود وقت نے مسمار کر دیا
دن رات مجھ کو تُو نے تھا کتنا سنوارا ماں

ہستی کو اپنی خاک بنا دوں میں رَاہ کی
اے کاش کہ تُو لوٹ کے آئے دوبارہ ماں

ارشدؔ کی کر معاف خطائیں تمام تر
رو رو کے مر نہ جائے یہ بیٹا تمہارا ماں





دور منزل کہیں رہگزر اجنبی
اس پہ یہ بھی ستم ہمسفر اجنبی

اُٹھ کے در سے ترے یوں بھٹکتا رہا
جیسے پردیس میں در بدر اجنبی

ساتھ مل کے رہیں میرا ہمزاد ، میں
پھر بھی دونوں رہے عمر بھر اجنبی

جب سے ماں کو لحد میں اُتارا گیا
تب سے لگنے لگا مجھ کو گھر اجنبی

نوچ ڈالے خزاؤں نے یوں پیرہن
پنچھیوں کے لئے ہیں شجر اجنبی

کوئی رنجش ہے دل میں چھپائے ہوئے
آج لگتی ہے اُس کی نظر اجنبی

روز کہتا ہے ارشدؔ مرا دل مجھے
ایک دن آئے گا لوٹ کر اجنبی



○

رات ٹوٹی کہیں کہکشاں خیر ہو
لال پیلا ہُوا آسماں خیر ہو

جلتے خوابوں کو اشکوں سے ٹھنڈا کیا
دِل سے اُٹھنے لگا ہے دھواں خیر ہو

فکر بربادیوں کی مری چھوڑیئے
جس نگر چل پڑے ہیں وہاں خیر ہو

کیسی پُر کیف تھی زندگی تیرے سنگ
کوئی آنے لگا درمیاں خیر ہو

کچھ دنوں سے گریزاں ہوا مجھ سے وہ
میرا ہمدم مرا رازداں خیر ہو

راستہ پُر خطر اُس پہ لمبا سفر
اور نہتا مرا کارواں خیر ہو

دیکھو ارشدؔ خزاؤں کی آغوش میں
میری دھرتی مرا گلستاں خیر ہو

❖○○○❖



یہ جو کاندھوں پہ سر رکھا ہوا ہے
اسی نے معتبر رکھا ہوا ہے

ہماری خواہشوں کا پیڑ اُس نے
ازل سے بے ثمر رکھا ہوا ہے

تھکن سے چُور ہوں پر چل رہا ہوں
کہ زیرِ پا سفر رکھا ہوا ہے

ہوائیں طاقچے میں ڈھونڈتی ہیں
"دیا دیوار پر رکھا ہوا ہے"

تمہاری یاد کا اس دل کے اندر
بسا کر اک نگر رکھا ہوا ہے

نجانے کیا بنانا چاہتے ہو
ہمیں پھر چاک پر رکھا ہوا ہے

مرے مالک نے سب ہاتھوں میں ارشدؔ
جداگانہ ہُنر رکھا ہوا ہے





جب پڑھی شاعری محبت کی
اُس نے پوچھا کبھی محبت کی ؟

عمر ساری یہی کیا صاحب
ہر جگہ ہر گھڑی محبت کی

پیار پہلا مجھے ہُوا ماں سے
آپ سے دوسری محبت کی

دشت مجھ پہ غرور کرتا ہے
یہ عطا ہے سبھی محبت کی

چاند تاروں میں اور کچھ بھی نہیں
ہے فقط روشنی محبت کی

صاف کہتی ہیں بولتی آنکھیں
تو نے بھی اجنبی محبت کی

میرے جیون میں آج بھی ارشدؔ
بس وہی اِک کمی محبت کی





زادِرہ لے کے یادوں کی تنویر میں
گمشدہ راستوں کا ہوں راہگیر میں

اُس سے کہہ دو کہ لے جائے آنکھیں مری
اُس کی دل میں سنبھالوں گا تصویر میں

گاؤں اُجڑا ہُوا پھر سے آباد ہو
اِک حویلی کروں ایسی تعمیر میں

پھر خوشی شرم سے منہ چھپاتی پھرے
بانٹ دوں گر یہاں غم کی جاگیر میں

کوئی بتلائے بھی کیا خطا ہے مری
کس لئے سہہ رہا ہوں یوں تعزیر میں

مجھ کو دی ہے امانت میاں قیسؔ نے
عشق ! تیری بڑھاؤں گا توقیر میں

مرے دشمن صفیں باندھ کر ہیں کھڑے
اب کہ ارشدؔ اُٹھاؤں گا شمشیر میں





جب کہوں اُس سے نہیں ملتے مجھے کیوں اب خطوط
منہ پھُلا کر مانگنے لگتا ہے واپس سب خطوط

ہنستی آنکھوں نے دیا پیغامِ چاہت جس گھڑی
کاش بن جاتے اُسی لمحے تمہارے لب خطوط

گر اُداسی حد سے بڑھ جائے شبِ تنہائی میں
کھول کر میں بیٹھ جاتا ہوں تمہارے سب خطوط

دل پہ پتھر رکھ کے میں نے کر لیا ہے فیصلہ
اپنے ہاتھوں سے جلا دونگا سبھی امشب خطوط

تُو نے تو ردی سمجھ کر میری یادیں بیچ دیں
میں نے سینے سے لگا رکھے ہیں تیرے سب خطوط

کیا یہ میرے اپنے ہاتھوں کی لکھی تحریر ہے
اب وہ کہتا ہے لکھے اُس نے تھے ایسے کب خطوط

دن نکلتے ہی وہ ارشدؔ شاعری میں ڈھل گئے
میں نے اُس کے نام لکھے تھے جو ساری شب خطوط



O

دو گھڑی یونہی ہنس کے جو بولا ہوں میں
تُو سمجھنے لگا ہے کہ تیرا ہوں میں

پیاس صحرا کی بارش بجھاتی نہیں
دیکھ ! چاہت کی بوندوں سے تشنہ ہوں میں

میں ابھی تک کھڑا ہوں اُسی موڑ پر
جس جگہ تھا کہا تُو نے آتا ہوں میں

خواب آنکھوں کے جب سے ہیں چھینے گئے
تجھ کو معلوم کیا کتنا جاگا ہوں میں

میرے چہرے پہ چہرہ کسی اور کا
مجھ کو وہ نہ سمجھ جو کہ دکھتا ہوں میں

سانس لینے کو ٹھہرا ذرا دیر پھر
عمر بھر وقت کے پیچھے بھاگا ہوں میں

اُس کو خود سے سے الگ کر کے سوچوں کبھی
ایسا لگتا ہے ارشدؔ کہ آدھا ہوں میں



○

دو گھڑی تو جو ہنس کے ملا شکریہ
درد سینے کا یوں کم ہُوا ، شکریہ

میں نے جس پہ لٹایا ہر اِک خواب کو
اُس نے مجھ سے فقط یہ کہا ، شکریہ

تیرا حجرہ کبھی میری منزل نہ تھی
رات بھر تُو نے مہماں کیا ، شکریہ

اِک مسافر ہوں میں اجنبی شہر میں
تُو بتا دے اگر راستہ ، شکریہ

دیکھو شرما گئی ہے یہ تشنہ لبیٔ
تُو نے ہونٹوں سے ایسے چھوا ، شکریہ

کچھ نہ کچھ تو سفر میں سہولت ملی
دو قدم ساتھ تُو چل پڑا ، شکریہ

ایک دن دیکھ لینا کہے گا مجھے
تُو نے ارشدؔ امر کر دیا ، شکریہ





ایسے لپٹی ہے مری خاک سے خاک
جیسے ملتی ہے کبھی چاک سے خاک

تھی ضرورت تو من و سلویٰ کی
کیوں اترنے لگی افلاک سے خاک

یوں نکالا ہے مجھے جیون سے
جیسے جھاڑے کوئی پوشاک سے خاک

اپنے ماتھے پہ سجانے کے لئے
میں بھی لاؤں گا درِ پاک سے خاک

دن کی محنت سے جو پائی ارشدؔ
پیٹ پالوں اُسی خوراک سے خاک





آگ پانی کے برابر نہیں ہونے دیتا
عشق صحرا کو سمندر نہیں ہونے دیتا

کچھ تو میرا یہ مقدر نہیں ہونے دیتا
اور کئی کام ستمگر نہیں ہونے دیتا

یونہی چپ چاپ کنارے پہ کھڑا رہتا ہوں
خوف اندر کا شناور نہیں ہونے دیتا

خواب ٹوٹیں تو لہو دل سے اُمڈ آتا ہے
وہ میری آنکھ کو پتھر نہیں ہونے دیتا

خود بھی اس دھوپ میں جلنا ہے مقدر اُس کا
وہ جو پودوں کو تناور نہیں ہونے دیتا

ایک مدت سے اِسے دل میں بسا رکھا ہے
میں تری یاد کو بے گھر نہیں ہونے دیتا

آ کے پیروں سے لپٹ جاتا ہے سایۂ ارشدؔ
وہ مجھے میرے برابر نہیں ہونے دیتا





شام سے دل کی زمیں پر معرکہ یادوں کا ہے
حسرتوں کی فوج کو اب سامنا یادوں کا ہے

گو بظاہر بحر و بَر ہیں دو دلوں کے درمیاں
دھڑکنوں کی لَے سے لیکن رابطہ یادوں کا ہے

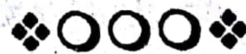
سیمِ غم نے چھین لیں ہیں سب کی سب شادابیاں
دل کی سُوکھی ٹہنیوں پر گھونسلا یادوں کے ہے

فصل اُمیدوں کی اب کے بھی نہ ہوگی با ثمر
اس برس بھی کشتِ جاں کو سامنا یادوں کا ہے

بن تمہارے کچھ نہیں ہے زندگانی کا جواز
سانس لینے کے لئے اک آسرا یادوں کا ہے

اِس خرابے میں کہیں رُکتا نہیں کوئی مگر
دشتِ دل میں خیمہ زن اِک قافلہ یادوں کا ہے

روح کا پنچھی بدن کی قید سے اُکتا گیا
یہ غنیمت ہے کہ ارشدؔ دَر کھلا یادوں کا ہے



O

میں اُس کو چاند میں دیکھوں، کبھی سحاب کے بیچ
اُسی کا عکس نمایاں ہے ہر گلاب کے بیچ

بھروسہ بھُربھری مٹی کے اس گھڑے پہ نہ تھا
تمہارا عشق تھا لایا ہمیں چناب کے بیچ

بہت سنبھال کے رکھی ہوئی ہے آج تلک
تمہاری یاد کی تتلی مری کتاب کے بیچ

اِرادہ نقل مکانی کا جب بھی کرتا ہوں
یہ میرے پاؤں ہی ٹکتے نہیں رکاب کے بیچ

نجانے کیوں تری نظروں سے وہ نہیں گزرا
وفا کا باب بھی شامل تو تھا نصاب کے بیچ

پھر اُس کے بعد مرے ہوش اُڑ گئے یک دم
گلابی ہونٹ دو اُبھرے تھے بس شراب کے بیچ

مرے وجود میں وہ نقش ہو گئیں ارشدؔ
دو آنکھیں اجنبی دیکھیں تھیں جو نقاب کے بیچ





اندھیرا اس لئے چھایا ہوا ہے
مرا سورج ابھی سویا ہوا ہے

تری آنکھیں شناسا لگ رہی ہیں
تجھے پہلے کہیں دیکھا ہُوا ہے

کِسی پتھر کو شاید چھو لیا تھا
بدن شیشے کا تھا ٹُوٹا ہوا ہے

چھپایا دل میں تھا جو راز تُو نے
تری آنکھوں میں وہ لکھا ہوا ہے

تھکن آنکھوں کی یہ بتلا رہی ہے
مُسافر رات بھر جاگا ہوا ہے

کہاں پر ہونٹ میں نے رکھ دیئے تھے
مرا سارا بدن نیلا ہوا ہے

تری منزل ہے ارشدؔ سچ کی منزل
تبھی تو راہ میں تنہا ہوا ہے



○

مجھے ایسا بھی جانے کیا ہوا تھا
کھلی آنکھیں تھیں میں سویا ہوا تھا

محل کیسے بدلتے ہیں کھنڈر میں
جبینِ وقت پر لکھا ہوا تھا

فصیلِ ہجر پر آنکھیں سجا کر
کسی نے سانس تک روکا ہوا تھا

مجھے منزل صدائیں دے رہی تھی
مگر میں راہ میں اُلجھا ہوا تھا

سرِ مژگاں چمکتے موتیوں میں
کسی کا خواب بھی ٹوٹا ہوا تھا

مجھے پھر تُو نے تنہا کر دیا ہے
بڑی مُشکل سے میں تیرا ہوا تھا

تجھے ارشدؔ وہ سب کچھ مل گیا ہے
ترے حصے میں جو لکھا ہوا تھا





آخر خود کو یہ سمجھانا پڑتا ہے
دل والوں کے بیچ زمانہ پڑتا ہے

دنیا چاہے جان سے پیاری لگتی ہو
ایک نہ اِک دن چھوڑ کے جانا پڑتا ہے

جیون میں کچھ ایسے بھی پل آتے ہیں
دیواروں سے راز چھپانا پڑتا ہے

پیار میں جو بھی عہد کرو تو یاد رہے
مرتے دم تک قول نبھانا پڑتا ہے

بات بات پہ روٹھنے والوں کو اک دن
اپنے آپ کو آپ منانا پڑتا ہے

قیس کی رہ پہ چلنے والوں کو ارشد
صحراؤں کا بوجھ اُٹھانا پڑتا ہے





پل بھر بھی تیری یاد سے نکلا نہیں ہوں میں
اور تو سمجھ رہی ہے کہ تیرا نہیں ہوں میں

رکھا گیا نہ تجھ سے تو عہدِ وفا کا پاس
صد شکر میرے دوست کہ تجھ سا نہیں ہوں میں

سینے سے اُٹھ رہا ہے بہت دھڑکنوں کا شور
اے اضطرابِ دل تجھے سمجھا نہیں ہوں میں

ثابت قدم ہوں پیار میں دیکھو کبھی مجھے
ہر بار ٹوٹ کر بھی تو بکھرا نہیں ہوں میں

ساگر مرے وجود کو لگتے بھی کس طرح
صحرا ہوں اپنی ذات میں دریا نہیں ہوں میں

وہ لفظ ہوں جو دوستو! متروک ہو چکا
دل کی کسی کتاب میں لکھا نہیں ہوں میں

اِک آس مجھ کو کھینچ کے لائی ہے دشت میں
ارشد وفورِ شوق سے آیا نہیں ہوں میں





بیتے دنوں کی یاد ، وہ لمحے تلاش کر
کھوئے کہاں ہیں پیار کے وعدے تلاش کر

شاید ذرا سی دیر کو آسودگی ملے
اے نیند میری آنکھ کے سپنے تلاش کر

یہ جو کتابِ عشق ہے بوسیدہ ہو چکی
اب تُو اسی میں پیار کے قصے تلاش کر

اِس اجنبی حیات کی تسکین کے لئے
غیروں کی بھیڑ بھاڑ میں اپنے تلاش کر

کرتا ہے روز و شب مرے عیبوں کا تذکرہ
دامن پہ اپنے بھی کبھی دھبے تلاش کر

تیری نگاہِ ناز میں ہم سو بُرے سہی
ملتے ہیں گر کہیں تجھے اچھے' تلاش کر

ارشدؔ مقامِ عشق کی معراج کے لئے
دشتِ جنوں میں تُو نئے رستے تلاش کر



O

اُلجھی ہوئی حیات کی گرہیں تلاش کر
کچھ دیر مُشکلات کی گرہیں تلاش کر

اُگتا ہے روز کس طرح تیرہ شبی کے بعد
سورج کے ساتھ رات کی گرہیں تلاش کر

پرتیں کھلیں گی معانی و مفہوم کی سبھی
پہلے ادھوری بات کی گرہیں تلاش کر

اُلجھا ہے کائنات کے رازوں میں کس لئے
ناداں تو اپنی ذات کی گرہیں تلاش کر

میں نے تو جو لگائیں تھیں دانتوں سے کھول دیں
تُو بھی تو اپنے ہاتھ کی گرہیں تلاش کر

کب تک رہے گا ریشمی زلفوں کے جال میں
اس قید سے نجات کی گرہیں تلاش کر

ارشدؔ تو اپنی زیست کے پاتال میں اُتر
اِس اجنبی حیات کی گرہیں تلاش کر





یونہی بدنامیوں کا گلہ عشق سے
روپ دیوی نے رو رو کیا عشق سے

میرے پرکھوں میں اِک نام ہے قیس کا
میرا ملتا ہے کچھ سلسلہ عشق سے

دل میں پنہاں کسی کی بس اِک یاد تھی
رفتہ رفتہ بنا قافلہ عشق سے

کیسے کٹتا جوانی کا لمبا سفر
طے ہُوا تو ہُوا مرحلہ عشق سے

گر خدا کی طلب دل میں پیدا ہوئی
تو ملے گا تمھیں راستہ عشق سے

اشک پل بھر بھی آنکھوں سے رکتے نہیں
دل میں آباد ہے کربلا عشق سے

میں نے ارشدؔ تجھے کھو دیا تھا کہیں
تُو ملا ہے مجھے دوستا عشق سے





یونہی ملتا نہیں ہے خدا عشق میں
کرنا پڑتا ہے خود کو فنا عشق میں

میں بھی گر نہ رہا تو میاں قیسؔ کو
کون دکھلائے گا راستہ عشق میں

جو بھی چاہو ملے گا جنوں کے عِوض
سکہ چلتا نہیں دوسرا عشق میں

دل کو بہلاتے رہنا تری یاد سے
کام سیکھا نہیں دوسرا عشق میں

تجھ کو مل جائے گی پیار کی سلطنت
دی ہے درویش نے یہ دعا عشق میں

ٹمٹماتا دیا رات کیا بجھ گیا
سر پٹختی رہی ہے ہوا عشق میں

اس کی معراج کیسے ملے گی تمہیں
ایسا ارشد کیا بھی ہے کیا عشق میں





مشکلوں سے ملا ہے جنوں دوستا
اب کہیں جا کے پایا سکوں دوستا

تیری یادوں کی چلنے لگے جب ہوا
ریت بن کے میں اُڑتا پھروں دوستا

دل کی خواہش ہے جس کی نہ تمثیل ہو
داستاں میں بھی ایسی لکھوں دوستا

تھک گیا قیس تو مجھ سے کہنے لگا
میں ترے ساتھ کب تک چلوں دوستا

یاد آتا ہے جب ماں کا آنچل مجھے
ہنستے ہنستے ہوئے رو پڑوں دوستا

اپنے احباب کے یہ ستم دیکھ کر
سوچتا ہوں میں کیونکر جیوں دوستا



O

ادھر دھوپ ہے اور گھٹا اُس طرف
حسیں کتنا موسم ہُوا اُس طرف

وہاں جانے والے پلٹتے نہیں
نجانے ہے ایسا بھی کیا اُس طرف

اُدھر شادمانی اِدھر بے بسی
کہ رہتا ہے شاید خدا اُس طرف

سمٹنے لگی ہے جو تیرہ شبی
جلایا ہے کس نے دیا اُس طرف

کہیں بیچ شیشے کی دیوار ہے
کہ جاتی نہیں ہے صدا اُس طرف

وہ دیکھو مدینے کا ہے راستہ
ملے گا تمہیں آسرا اُس طرف

یہاں تنہا رہ کے ہوں اُکتا گیا
کہ ارشد میں اُٹھ کے چلا اُس طرف





اِدھر عشق ہے اور جنوں اُس طرف
کہ دل کو ملے گا سکوں اُس طرف

وہیں پر ہے محور مری سوچ کا
میں دکھتا یہاں ہوں رہوں اُس طرف

سرِرَہ وہ پوچھے چلے ہو کدھر
میں آنکھوں سے اتنا کہوں اُس طرف

کہ شاید کہیں اب ٹھکانہ ملے
سرِ شام اُڑتا پھروں اُس طرف

مری رہ میں رسموں کی دیوار ہے
میں کیسے تمہیں آ ملوں اُس طرف

اُدھر اُونچے ٹیلے ہیں سب ریت کے
میں دریا ہوں کیسے بہوں اُس طرف

اُدھر سے اُٹھیں سب اِدھر آ بسیں
کہ ارشدؔ کچھ ایسا کروں اُس طرف



○

کہا میں نے مجھے یونہی ذرا دلگیر رہنے دے
کہا اُس نے نگاہوں میں مری تصویر رہنے دے

کہا میں نے چراغِ دل کو آخر بجھ ہی جانا ہے
کہا اُس نے مری راہوں میں کچھ تنویر رہنے دے

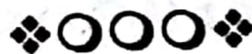
کہا میں نے چلو توڑیں زمانے کی یہ زنجیریں
کہا اُس نے کہ پُرکھوں کی بھی کچھ توقیر رہنے دے

کہا میں نے نئی راہیں تراشیں اب محبت کی
کہا اُس نے یہ بے مقصد ہے سب تعمیر رہنے دے

کہا میں نے مری آنکھیں تمہارے خواب بُنتی ہیں
کہا اُس نے کہیں ملتی نہیں تعبیر رہنے دے

کہا میں نے محبت کے صحیفے دل پہ اُترے ہیں
کہا اُس نے تُو اِن آیات کی تفسیر رہنے دے

کہا میں نے مجھے اِس غم سے اب دامن چھڑانا ہے
کہا اُس نے اسے ارشد کی تُو جاگیر رہنے دے





ٹک ٹک ایسے دیکھ رہا تھا میرے سامنے بیٹھا شخص
جیسے وہ کچھ ڈھونڈ رہا ہو مجھ میں کھویا کھویا شخص

پہلی بار ملے ہو پھر بھی اپنے اپنے لگتے ہو
میرے خوابوں میں رہتا ہے تم سے ملتا جلتا شخص

ریزہ ریزہ کر گئی اُس کو تیری یاد کی تیز ہوا
ریت کی صورت بکھرا ہے اب جو تھا پتھر جیسا شخص

بن بتلائے چھوڑ گیا ہے دل کا آنگن چپکے سے
میرے اندر بھی رہتا تھا کل تک ہنستا بستا شخص

پیار سے اپنا نام لکھا کرتے تھے جس کے ہاتھوں پر
اپنے ہاتھ کی ریکھاؤں میں آج بھی ہے اِک اُلجھا شخص

اُکھڑا اُکھڑا لہجہ اُس کا تلخی بھی ہے باتوں میں
صاف دکھائی دیتا ہے وہ پہلے سے کچھ بدلا شخص

کون ہے ارشدؔ پوچھو تو وہ کس کے پیار میں پاگل ہے
جس کو پتھر مار رہا ہے ہر اِک آتا جاتا شخص





اُس نے ایسے بولا جھوٹ
سچ لگتا تھا اُس کا جھوٹ

قصۂ گو کے افسانے میں
آدھا سچ تھا آدھا جھوٹ

سچائی کے دیپ جلاؤ
ڈس نہ جائے اندھا جھوٹ

اُس دن کیسی حالت ہو گی
جس دن کام نہ آیا جھوٹ

سب کے اپنے اپنے سچ ہیں
سب کا اپنا اپنا جھوٹ

زیرِلب ہیں روتی قسمیں
اور آنکھوں میں ہنستا جھوٹ

ارشدؔ پُورا تول کے بولو
کر دیتا ہے رُسوا جھوٹ



○

یہ چھٹی حس مجھے کہہ رہی ہے مری
آخری سانس پر زندگی ہے مری

کیسے ہونٹوں کی یہ تشنگی جائے گی
جب سرابوں سے ہی دوستی ہے مری

جاں کے دشمن، تمہیں جان کہتا ہوں میں
اے مرے دوست یہ سادگی ہے مری

اس طرح سے جلا ہوں تری یاد میں
چاند تاروں میں بھی روشنی ہے مری

تیرے در سے جبیں کو اُٹھایا نہیں
کیا کروں کہ یہی بندگی ہے مری

دن نکلتے میں ارشدؔ چلا جاؤں گا
رات اِس شہر میں آخری ہے مری



O

کچھ کہی مختصر کچھ سُنی مختصر
اجنبی سے ملن دو گھڑی مختصر

غم کے دریا پیئے پیاس بجھ نہ سکی
یوں تو ہونٹوں پہ ہے تشنگی مختصر

جس کو دیکھو ہتھیلی پہ ہے سر لئے
یہ جو لشکر میں ہیں آدمی مختصر

ایسا دریا ہوں جو کہ ہے سُوکھا ہوا
آ کے ملتی ہے جس سے ندی مختصر

لاکھ سپنے بُنے جاگتی آنکھ سے
کیا خبر تھی کہ ہے زندگی مختصر

ایک جگنو ہے ارشدؔ تری یاد کا
مرے کمرے میں ہے روشنی مختصر



○

جب سمجھ پایا نہیں ہوں بات کی تفصیل میں
کس طرح سے کر سکوں گا حکم کی تعمیل میں

گمشدہ منزل کہیں ہے ہمسفر بھی اجنبی
سوچتا رہتا ہوں کرلوں راستہ تبدیل میں

رفتہ رفتہ اب کہانی آ گئی اُس موڑ پر
کر رہا ہوں اِک نئے کردار کی تشکیل میں

بجھتی آنکھوں میں پلٹ سکتی ہے واپس روشنی
ڈھونڈ کر لاؤں کہاں سے پر تری تمثیل میں

گردشِ حالات ہو یا کہ ہوائے غم چلے
عمر بھر بجھنے نہ دوں گا یاد کی قندیل میں

اِس لئے بھی بُھر بھری مٹی سے مجھ کو پیار ہے
خاک ہوں ہو جاؤں گا اِس خاک میں تحلیل میں

چھوڑ جاؤں گا میں ارشدؔ اپنی یادوں کے نقوش
لکھ رہا ہوں آنسوؤں سے پیار کی انجیل میں





دور ہے ارشدؔ نگاہوں سے مری منزل ابھی
مشکلیں ہی مُشکلیں ہیں راہ میں حائل ابھی

دم دما دم آ رہی ہے چھن چھنا چھن کی صدا
گونجتی ہے میرے کانوں میں تری پائل ابھی

لڑ رہا ہوں میں بھنور سے گو شناور بھی نہیں
دیکھتا ہے کوئی حسرت سے سرِ ساحل ابھی

رات باقی ہے چلو کچھ دیر آنکھیں مُوند لیں
آسماں پر ہے ستاروں کی بہت جھلمل ابھی

آ گیا ہو گا نشانے پر کسی صیاد کے
گر پڑا ہے ایک پنچھی ہو کے جو گھائل ابھی

زندگی ہے امتحاں در امتحاں در امتحاں
کر رہا ہوں اُس کو میں اس بات پر قائل ابھی

ماند پڑتی جا رہی ہے اُس کی آنکھوں کی چمک
آس باندھے ہے ترے در سے جو اِک سائل ابھی



○

تشنگی ہونٹوں سے تھی چمٹی ہوئی
سامنے اک جھیل تھی سوکھی ہوئی

آسماں پر بادلوں کا شور تھا
اور زمیں پر خاک تھی اڑتی ہوئی

آندھیوں کے زور سے ٹوٹا شجر
ایک چڑیا اُڑ گئی روتی ہوئی

کب نگل جائے سمندر کیا خبر
سوچ میں گم تھی ندی بہتی ہوئی

اِک سکوتِ مستقل تھا چار سُو
جس جگہ اِک ناؤ تھی ڈوبی ہوئی

سوکھنا تھا حسرتوں کے پیڑ نے
بیل تھی آکاس کی لپٹی ہوئی

پڑ گئی اُس پر شکاری کی نظر
فاختہ سوچوں میں تھی بیٹھی ہوئی

لکھ رہی تھی بے کسی کی داستاں
لاش تھی جو خون میں ڈوبی ہوئی

رفتہ رفتہ آنکھ بھی پتھرا گئی
اجنبی کا راستہ تکتی ہوئی

چل ابھی کچھ دیر پھرتے ہیں ذرا
رات ارشدؔ ہے کہاں آدھی ہوئی



O

پھر کون سُنے گا بھلا کہرام ہمارا
اُس تک کبھی پہنچا نہیں پیغام ہمارا

پاتال میں پھینک آئیں گی اک روز ہوائیں
سوکھے ہوئے پتوں پہ نہ لکھ نام ہمارا

ہر وقت اُسے یاد کیا کرتے ہیں ہم لوگ
مدت سے یہی ایک ہے بس کام ہمارا

وہ جس کا بدن باغ کے پھولوں سے بنا ہے
کس شہر میں رہتا ہے وہ گلفام ہمارا

پھر ٹوٹ کے آ جاتی ہیں کچھ تیز ہوائیں
جلتا ہے دیا جب بھی سرِ شام ہمارا

ہم خاک نشینوں کو فلک سے نہیں نسبت
دھرتی پہ ہوا کرتا ہے بسرام ہمارا

اب دل کے دھڑکنے سے بھی ڈر لگتا ہے ارشدؔ
جانے وہ کہاں لے گیا آرام ہمارا





سمندر کا کنارا آنکھ میں ہے
وہی دلکش نظارہ آنکھ میں ہے

میں گھبراتا نہیں ہوں اے شبِ غم
کہ یادوں کا ستارہ آنکھ میں ہے

نگاہیں ایک نقطے پر جمی ہیں
بس اِک چہرہ تمہارا آنکھ میں ہے

میں پھر بازی لگانا چاہتا ہوں
مگر پچھلا خسارہ آنکھ میں ہے

بہا لے جائے گا وہ خواب سارے
رُکا پانی جو کھارا آنکھ میں ہے

جلن سی آنکھ میں ہونے لگی ہے
چھپا کوئی شرارہ آنکھ میں ہے

وہی پلکوں پہ ٹانکے پھول ارشدؔ
جسے ہم نے اُتارا آنکھ میں ہے





ہَوا کے دوش پر اُڑ کر کبھی سوچوں میں آ جاؤ
چلو ایسا کرو امشب مرے خوابوں میں آ جاؤ

کسی کے زورِ بازو سے کبھی رکتی نہیں خوشبو
مثالِ رنگ و بوئے گل مری سانسوں میں آ جاؤ

خدا سے گڑگڑا کر مانگتا ہوں ہر گھڑی تم کو
جزا بن کر کسی لمحے مرے ہاتھوں میں آ جاؤ

زمانہ کھیل کھیلے گا ہمیں ملنے نہیں دے گا
سنو ! ایسا نہیں کرنا کہ تم باتوں میں آ جاؤ

جدائی کھا رہی ہے رفتہ رفتہ اب یہ جسم و جاں
ملن کے خوبصورت موسموں ، یادوں میں آ جاؤ

دکھائی کچھ نہیں دیتا شبِ غم کے اندھیروں میں
مرے چندا مرے جگنو مری آنکھوں میں آ جاؤ

بتاؤ کب تلک کاٹے گا ارشدؔ رتجگے تنہا
خمارِ خواب بن کر تم مری نیندوں میں آ جاؤ





محبت بانٹ لیتے ہیں عداوت بھول جاتے ہیں
چلو ایسا کریں شکوے شکایت بھول جاتے ہیں

ابھی تک یاد ہیں تم سے ادھوری سی ملاقاتیں
سُنا ہے لوگ برسوں کی رفاقت بھول جاتے ہیں

امیرِ شہر کا ظلم وستم جب حد سے بڑھ جائے
تو پھر محکوم بھی اپنی شرافت بھول جاتے ہیں

جو سب کا یار ہوتا ہے کسی کا بھی نہیں ہوتا
نجانے کس لئے ہم یہ کہاوت بھول جاتے ہیں

تھکے ہارے مسافر جب کبھی منزل پہ آ جائیں
کٹی ہے کس طرح اُن کی مسافت بھول جاتے ہیں

محبت سے فقط اِک بار جب وہ دیکھ لیتا ہے
تو ارشد جو بھی دی اُس نے اذیت بھول جاتے ہیں



○

تیرگی میں روشنی کرتا رہا
دشمنوں سے دوستی کرتا رہا

ہر قدم پر سامنے آتی رہی
موت کو میں زندگی کرتا رہا

اُس کو بھی اپنی انا کا زعم تھا
بات میں بھی سر پھری کرتا رہا

بھر لئے اُس نے ستارے مانگ میں
میں کہ پلکیں شبنمی کرتا رہا

لکھ دیا تھا دل کو جس کے نام پر
مجھ سے وہ بھی دل لگی کرتا رہا

پاؤں میں ارشدؔ مرے زنجیر تھی
پھر بھی میں آوارگی کرتا رہا



○

زیست یادوں سے حزیں کرتا رہا
اور میں کچھ بھی نہیں کرتا رہا

جانتا تھا وہ منافق ہے مگر
پھر بھی میں اُس کا یقیں کرتا رہا

چاند جو اُترا ہوا تھا جھیل میں
رات کا منظر حسیں کرتا رہا

جب تخیّل میں کبھی پرواز کی
آسماں کو بھی زمیں کرتا رہا

کیوں اجڑتا نہ مکانِ دل مرا
سازشیں گھر کا مکیں کرتا رہا

میرے سجدے رائیگاں ارشد ہوئے
سرنگوں گرچہ جبیں کرتا رہا





اُسی کے ہیں سبھی آثار مجھ میں
جو بیٹھا ہے پسِ دیوار مجھ میں

بہت مضبوط تھی میری جسامت
کہاں سے آ گیا بیمار مجھ میں

دھمالیں اس لئے بھی ڈالتا ہوں
کہیں کھویا ہوا ہے یار مجھ میں

گلوں سے دوستی کا یہ صلہ ہے
چبھوئے جا رہے ہیں خار مجھ میں

یہ دیدہ ور مجھے پہچان لیں گے
چھپا ہے گر کوئی شہکار مجھ میں

میں اِک ایسی کہانی ہو گیا ہوں
نہیں اب کوئی بھی کردار مجھ میں

مثالِ آئینہ ٹوٹا ہوں ارشدؔ
دکھائی دے گا میرا یار مجھ میں



○

عجب گردش میں ہیں حالات میرے
نہیں اپنے رہے اب ساتھ میرے

کہیں سے اُس کی خوشبو آ رہی ہے
مرے قابو نہیں جذبات میرے

وہ کیوں دامن چھڑانا چاہتا ہے
دیا ہاتھوں میں جس نے ہاتھ میرے

میں مٹی کی طرح بھیگا ہوا ہوں
کھلونے لے گئی برسات میرے

حفاظت جس کی کرتا آ رہا ہوں
وہی کاٹے گا اِک دن ہاتھ میرے

میں سائے کے تعاقب میں چلا تھا
سو ارشدؔ کچھ نہ آیا ہاتھ میرے





فنا تو کر لی اپنی ذات میں نے
بدل ڈالے مگر حالات میں نے

مری پلکیں بھی گیلی ہو گئی ہیں
بہت قابو رکھے جذبات میں نے

یوں لگتا ہے کہ صحرا ہو گیا ہوں
کبھی دیکھی نہیں برسات میں نے

میں پتھر باندھ لیتا ہوں شکم پر
نہیں مانگی کبھی خیرات میں نے

کہا بس اپنے دل کا مانتا ہوں
سنی ہے کب کسی کی بات میں نے

کسی کو دوش کیسے دوں میں ارشدؔ
کیے گھمبیر خود حالات میں نے



○

بہت سے کر لیے تھے یار میں نے
نہیں پایا کوئی غمخوار میں نے

تمہیں اُس کی حقیقت کیا بتاؤں
جو دیکھا ہے پسِ دیوار میں نے

مجھے بے آبرو وہ کر رہا ہے
جسے خیرات دی دستار میں نے

اُسی نے سیج کانٹوں کی سجائی
چنے پلکوں سے جس کے خار میں نے

قبائے زندگی بھی یوں ہے جیسے
اُٹھا رکھا ہو کوئی بار میں نے

مجھے اِک معرکہ لڑنا ہے ارشدؔ
ابھی رکھی نہیں تلوار میں نے



○

جو کل تک تھے بہت غمخوار میرے
نجانے اب کہاں ہیں یار میرے

مقدر میں لکھی ہے ہار میرے
کہ دشمن ہیں پسِ دیوار میرے

کوئی سردار ہونا چاہیے وہ
رکھے گا سر پہ جو دستار میرے

کسی نے بیج شک کا بو دیا ہے
اجڑ جائیں گے سب گلزار میرے

میں قاتل بھی ہوں اور مقتول بھی ہوں
ہوئے سب مرثیے بے کار میرے

دکھاتا ہوں تجھے گر آئینہ میں
تو یوں پتھر نہ سر پہ مار میرے

کہانی مر گئی تو تب کھلا ہے
مرے جیسے تھے سب کردار میرے





کرو گے جب نہ کوئی بات مجھ سے
کٹے گی کس طرح یہ رات مجھ سے

وفاؤں کو نبھانا جانتا ہوں
ملا کر دیکھ لو تم ہاتھ مجھ سے

جسے بخشی بہت توقیر میں نے
وہی پوچھے مری اوقات مجھ سے

مری دھرتی میں تم بارود بو کر
نہ چھینو دولتِ باغات مجھ سے

وہی میرے مقابل آ گیا ہے
جسے ملتی رہی خیرات مجھ سے

سنا ہے اُس نے ارشدؔ بیچ دی ہے
ملی تھی جو اُسے سوغات مجھ سے





نجانے کیا ہے ایسی بات مجھ میں
کہ ضم ہونے لگی ہے رات مجھ میں

نشانے پر میں اُس کے آ گیا ہوں
لگا رکھی ہے جس نے گھات مجھ میں

کوئی مجھ کو مقفّل کر گیا تھا
بسیرا کر گئے جنات مجھ میں

اُسے کیوں دربدر میں ڈھونڈتا ہوں
بسی ہے جبکہ اُس کی ذات مجھ میں

خزائیں خواہشوں کو کھا گئی ہیں
فسردہ ہو گئے باغات مجھ میں

ملی عزت مجھے ماں کی دُعا سے
وگرنہ کیا ہے ایسی بات مجھ میں

جو میری سوچ کا محور ہے ارشدؔ
دکھائی دے بسا اوقات مجھ میں



○

لگا کے رکھ نہ اپنے ساتھ مجھ کو
کہیں بہکا نہ دیں جذبات مجھ کو

وہاں پریوں کی رانی مضطرب ہے
اُٹھا لے جائیں گے جنات مجھ کو

ابھی اِس دھوپ سے لڑنا پڑے گا
لگانے ہیں بہت باغات مجھ کو

مرے اندر کوئی ہلچل مچی ہے
سکوں ملتا نہیں دن رات مجھ کو

وہ بزدل ہے مگر چالاک بھی ہے
کہ مارے گا لگا کر گھات مجھ کو

مرے دل سے اُجالا پھوٹتا ہے
فلک سے آئی ہے سوغات مجھ کو

کوئی مجھ کو بتائے بھی تو ارشدؔ
کہاں لے جائیں گے حالات مجھ کو



O

کہیں سے آئی ہے آواز پھر سے
محبت کا کریں آغاز پھر سے

کسی کی یاد کروٹ لے رہی ہے
مرے دل کے بجے ہیں ساز پھر سے

ذرا سے بات کو جس نے اُچھالا
اُسی کو دے دیا ہے راز پھر سے

میں پھر باتوں میں اُس کی آ گیا ہوں
حماقت پر کیا ہے ناز پھر سے

بہت سہمی ہوئی ہے کوئی چڑیا
نظر آنے لگے ہیں باز پھر سے

جو کل مقتل میں تنہا چھوڑ آئے
وہ بن آ گئے دمساز پھر سے

ہَوا کا زور کچھ ٹوٹا ہے ارشدؔ
چلو آؤ کریں پرواز پھر سے



○

خوشیوں کا کارواں کبھی اُترا تھا گھر کے پاس
اب تک بھٹک رہا ہوں میں دیوار و در کے پاس

رکھنا بحال حوصلہ اے ناخدا مرے
کشتی پہنچنے والی ہے بپھرے بھنور کے پاس

یادوں کا اِک ہجوم تھا ہجراں کی رات تھی
جگنو بھی اُڑ رہے تھے مری چشمِ تر کے پاس

بھرنے لگا تھا آنکھ میں سورج کا عکس میں
منظر کوئی بچا نہیں میری نظر کے پاس

سوکھی ہے شاخ شاخ مگر گھونسلا تو ہے
پنچھی پلٹ کے آئے گا واپس شجر کے پاس

اِک اور نور کے ہیں سب ہالے بنے ہوئے
یونہی نہیں ہے روشنی شمس و قمر کے پاس

ارشدؔ مرے وجود کی مٹی کو علم ہے
جانا ہے ایک روز اسے کوزہ گر کے پاس





لبوں کو سی کے نہ بیٹھے رہو ، ہُوا سو ہُوا
جو بات دل میں ہے کھل کر کہو، ہُوا سو ہُوا

چلو کہ رنجشیں دونوں نکال دیتے ہیں
نہ کوئی بات بھی دل میں رکھو ، ہوا سو ہوا

کٹھن ہیں راستے اُلفت کے گر پڑو بھی اگر
بحال حوصلہ کر کے اُٹھو ، ہوا سو ہوا

کہ جانے والوں کو روکا نہیں کبھی میں نے
تمہاری بات الگ ہے ، رُکو ، ہوا سو ہوا

بجھا بھی سکتا ہے پانی چراغ آنکھوں کے
''کسی کی یاد میں اتنا نہ رو ہوا سو ہوا''

یہ کیسا خواب ہے ٹوٹا کہ آنکھ لگتی نہیں
تمام رات ہی تارے گنو ہوا سو ہوا



○

یاد کیوں آنے لگی سمجھا نہیں
جو کسی کا خواب تھی سمجھا نہیں

اب کسی سے کیا گلہ کرنا مجھے
دوست میری دوستی سمجھا نہیں

رات بھر سنتا رہا وہ داستاں
بات لیکن ایک بھی سمجھا نہیں

ڈال رکھی ہے ستاروں پر کمند
آدمی کو آدمی سمجھا نہیں

اُس کو آخر موت آئی جس نے بھی
زندگی کو زندگی سمجھا نہیں

ایک غم یہ بھی ستاتا ہے مجھے
چاہتوں کو اجنبی سمجھا نہیں

مجھ سے ارشدؔ دوستوں کی آج کل
کیوں ہوئی ہے دشمنی سمجھا نہیں





کیا ہوئی مجھ سے خطا سمجھا نہیں
جو ملی اتنی سزا سمجھا نہیں

خال و خد تبدیل کرنے پڑ گئے
مجھ کو میرا آئینہ سمجھا نہیں

طاقچے میں وہ اندھیرا تھا وہاں
روشنی کو بھی دیا سمجھا نہیں

بس جدائی تھی مقدر میں لکھی
میں کسی کو بے وفا سمجھا نہیں

ہر پرندہ یوں تھکن سے چُور ہے
کس جگہ ہے گھونسلہ سمجھا نہیں

دھوپ نے جھلسا دیئے ایسے بدن
کوئی مطلب سائے کا سمجھا نہیں

لاکھ ارشدؔ فاصلوں کے باوجود
میں اُسے خود سے جدا سمجھا نہیں





چبھے ہیں جو مرے دل میں خار کم تو نہیں
تمہاری یاد کی پھر بھی بہار کم تو نہیں

وفا کی راہ میں صحرا بھی ہیں سمندر بھی
کہ مجھ میں حوصلہ چلنے کا یار کم تو نہیں

جنم جنم سے تری راہ تک رہا ہوں میں
کسی کی دید کا یہ انتظار کم تو نہیں

ملا نہیں ہے کوئی غم کو بانٹنے والا
برائے نام مرے غمگسار کم تو نہیں

الٰہی وہ بھی کسی روز آ کے مجھ سے کہے
ترے لئے بھی کوئی بے قرار کم تو نہیں

یہ تجھ سے کس نے کہا کھاؤ اپنے سر کی قسم
تری زباں پہ مجھے اعتبار کم تو نہیں

بس ایک خوف ہے ارشدؔ بھٹک نہ جاؤں کہیں
نگاہِ یار کا مجھ پر خمار کم تو نہیں





جب جب اُس نے خواب چرائے آنکھوں سے
تب تب میں نے اشک بہائے آنکھوں سے

رو رو کر یہ آنکھیں تو بے نور ہوئیں
پر تیری تصویر نہ جائے آنکھوں سے

پھولوں کو تو ہر کوئی بوسے دیتا ہے
کون ہے جو یہ خار لگائے آنکھوں سے

دل دریا میں یادوں کی طغیانی ہے
ایسے ہی کب آنسو آئے آنکھوں سے

ایک نہ اک دن بھید سبھی کھل جاتے ہیں
کوئی چاہے لاکھ چھپائے آنکھوں سے

جیسے ٹوٹے خواب لئے میں پھرتا ہوں
ایسے کوئی بوجھ اُٹھائے آنکھوں سے

ارشدؔ اُس کے دل میں کوئی چور تو ہے
ورنہ کیوں وہ آنکھ چرائے آنکھوں سے



○

زمیں کی پیاس جو دیکھی مچل گیا پانی
فلک کی آنکھ سے چھم چھم برس پڑا پانی

ہمارے ضبط کا بند ٹوٹنے کی دیر تھی بس
بہا کے لے گیا سب کچھ رُکا ہوا پانی

سفید پوش چٹانوں سے کہہ رہی تھی کرن
پگھل ہی جائے گا برسوں کا یہ جما پانی

ہماری بستی میں آیا تھا بن بلائے ہوئے
ہمارے جھونپڑے لے کر چلا گیا پانی

جو کل تھا ریت کی چادر میں منہ چھپائے ہوئے
وہ بہہ رہا ہے کناروں کو روندھتا پانی

ہمارے ملنے کو شاید کہ آپ آ نہ سکیں
ہمارے گاؤں کی گلیوں میں ہے کھڑا پانی

کوئی تو سانحہ گزرا ہے اس پہ بھی ارشدؔ
کہ پل دو پل میں جو ایسے بپھر گیا پانی



⭘

کون مرتا ہے یہاں ارشدؔ کسی کے واسطے
موت سے لڑتی ہیں سانسیں زندگی کے واسطے

اے شبِ تاریک تُو اترا رہی ہے کس لئے
ایک جگنو ہی بہت ہے روشنی کے واسطے

روز و شب بہتا رہا گر آدمیت کا لہو
آدمی ترسے گا اک دن آدمی کے واسطے

یہ بھی ممکن ہے اُترتے ہوں مضامیں غیب سے
پھونکنا پڑتا ہے دل بھی شاعری کے واسطے

کھو گیا ہے وہ بھی ارشدؔ رونقِ بازار میں
تج دیا میں نے جہاں جس اجنبی کے واسطے



پوچھا نہیں کسی نے بھی اُجڑے مکان سے
ہر بات کا جواز تھا دیوار و در کے پاس





کیا وہ میرے دوست ہیں یا پھر کہ مٹیالے ہے سانپ
میں نے اپنی آستینوں میں جو بھی پالے ہیں سانپ

شام ہوتے ہی لپٹ جاتے ہیں آ کر شاخ سے
لوگ کہتے ہیں چنبیلی کے یہ رکھوالے ہیں سانپ

کچھ نہ کچھ تریاق بھی رکھتا ہے اپنے پاس وہ
جس کسی نے شوق کی خاطر کبھی پالے ہیں سانپ

میں سپیرا ہوں مجھے سانپوں سے رغبت خوب ہے
جان کے دشمن پٹاری میں بہت ڈالے ہیں سانپ

رقص کرتے آ رہے ہیں بین کی آواز پر
نسل ہے نایاب کوئی دیکھنے والے ہیں سانپ

دل دھک دھک اور بڑھ جاتی ہے دیکھوں جب اِسے
یہ تری زلفوں کی لٹ ہے یا کہ پھر کالے ہیں سانپ





سر اُٹھائے جو ہماری راہ میں بیٹھے ہیں سانپ
اس طرح کے ہم نے پہلے بھی بہت مارے ہیں سانپ

کل تلک تو میں ہی کہتا تھا کہ مجھ کو ڈس لیا
آج اُس کو شہر بھر کے لوگ بھی کہتے ہیں سانپ

بچپنے میں شوق پالا تھا سُروں سے کھیلنا
پھر اُسی کے زور پر ہم نے بہت کیلے ہیں سانپ

جان کے دشمن کہیں بن جائیں نہ اپنے مرے
کچھ گذشتہ رات بھی تو خواب میں دیکھے ہیں سانپ

کس طرح اس خوف کے سائے میں ہم زندہ رہیں
آدمی کے روپ میں بھی اب یہاں بستے ہیں سانپ

پھر نکالا جاؤں گا لگتا ہے اس جنت سے میں
مجھ کو بہکانے کی خاطر پھر سے آ نکلے ہیں سانپ



بتاؤں میں چاہت کی تفسیر کیسے
صحیفہ کوئی دل پہ اُترا نہیں تھا

○

ستارہ پلک سے جو ٹوٹا نہیں تھا
فنا کی حقیقت کو سمجھا نہیں تھا

زمانے سے اب میں جو اُکتا گیا ہوں
یقیں جانیے پہلے ایسا نہیں تھا

کہیں میری منزل صدا دے رہی تھی
مگر راستہ مجھ پہ کھلتا نہیں تھا

نجانے وہ کیوں اجنبی لگ رہا ہے
کبھی یوں بھی ہوگا یہ سوچا نہیں تھا

کوئی خواب چھینا گیا ہے یقیناً
یونہی بے وجہ تو میں جاگا نہیں تھا

مرے گاؤں پہنچا ہے سیلاب کیسے
یہاں پاس دریا بھی بہتا نہیں تھا

میں ارشدؔ اُسی کی طلب میں رہا ہوں
مقدر میں جو میرے لکھا نہیں تھا





دل کے ذر و دیوار کو مسمار کر گئے
لشکر تمہاری یاد کے حد سے گزر گئے

اس کار زارِ عشق میں اترو تو سوچنا
اس راہِ پُر خطر میں ہزاروں کے سر گئے

اچھے دنوں میں ساتھ رہے ہم قدم مگر
مُشکل گھڑی میں یار مرے سب کدھر گئے

ایسے ہوائے غم کی نہ سوغات دو ہمیں
کیسے سمیٹ پاؤ گے ، گر ہم بکھر گئے

قاتل تھا جس کو ہم نے مسیحا سمجھ لیا
جینے کی آرزو لئے چُپ چاپ مر گئے

ہاتھوں میں آئینہ تھا مرے اور کچھ نہ تھا
ارشدؔ تمام شہر کے کیوں لوگ ڈر گئے ؟





اگر سمجھو تو کیا کہتا نہیں ہوں
تمہیں خود سے جدا کہتا نہیں ہوں

مجھے وہ بے وفا کہتا ہے اکثر
جسے میں بے وفا کہتا نہیں ہوں

سحر کو شام میں نے کب کہا ہے
اندھیرے کو ضیا کہتا نہیں ہوں

تری تعظیم سر آنکھوں پہ لیکن
میں پتھر کو خدا کہتا نہیں ہوں

کہ جیسا ہوگا ویسا ہی کہوں گا
پرانے کو نیا کہتا نہیں ہوں

تمہارا غم بھی اِک سوغات ہے سو
اسے کوئی سزا کہتا نہیں ہوں

کسی صورت خطاؤں کو میں ارشدؔ
مقدر کا لکھا کہتا نہیں ہوں





مرے دوستوں کی شکایتیں مجھے کھا گئیں
مری روز و شب کی وضاحتیں مجھے کھا گئیں

نہ کسی کی یاد نہ سازِ غم نہ ہی انتظار
دلِ مضطرب تری دھڑکنیں مجھے کھا گئیں

یہ نمازِ عشق ادا ہوئی نہ قضا ہوئی
یونہی بے سبب سی ریاضتیں مجھے کھا گئیں

شب و روز یونہی بجا کئے ہیں کواڑ دل
اے ہوائے غم تری آہٹیں مجھے کھا گئیں

کبھی تاج و تخت کی جستجو نہ کہ آرزو
مری چھوٹی چھوٹی سی حاجتیں مجھے کھا گئیں

تری اِن دکھاوے کی چاہتوں کا میں کیا کروں
تری ذات میں چھپی نفرتیں مجھے کھا گئیں

یہ جو ریزہ ریزہ سا ہو گیا ہوں میں ارشدؔا
غمِ عاشقی کی اذیتیں مجھے کھا گئیں





یونہی اُلجھے اُلجھے سے راستے مجھے کھا گئے
رہِ زندگانی کے مرحلے مجھے کھا گئے

یہ تو قیس کے ہی نقوشِ پا کا ثبوت ہے
میرے پاؤں کے ہیں جو آبلے مجھے کھا گئے

تیرے ہجر کے اسی ناگ نے مجھے ڈس لیا
یہ جو بحر و بر کے ہیں فاصلے مجھے کھا گئے

تُو تو سو گیا ہے ہزاروں خوابوں کو اوڑھ کے
تری یاد میں یہاں رتجگے مجھے کھا گئے

یہی التجائیں تو کر رہی ہے زمین اب
سنو آسماں مرے حادثے مجھے کھا گئے

اِسی قید میں کہیں مر نہ جاؤں میں ارشدا
میرے چارسُو ہیں جو حاشیے مجھے کھا گئے





بدن ہو کانچ کا آنکھیں اگر ہوں سندر بھی
کہ مرے خواب سے ملتا ہے پھر وہ پیکر بھی

اِدھر تو آنکھ سے روٹھی ہوئی ہے نیند ابھی
بچھا ہُوا ہے اُدھر خواہشوں کا بستر بھی

مرے وجود میں آئے ہیں زلزلے ایسے
,,میں لخت لخت ہوں اپنے بدن کے اندر بھی،،

ترا نصیب ہے جو تجھ کو مل گئے گوہر
مرے تو ہاتھ میں آئے نہیں ہیں پتھر بھی

ذرا سی حسن کی خیرات بانٹ دو اِن میں
کھڑے ہیں در پہ ترے شاہ بھی گداگر بھی

خدا کو ڈھونڈتے پھرتے ہو کُو بہ کُو ارشدؔ
کبھی تلاش کرو اس کو اپنے اندر بھی





جسے ملا ہی نہیں اپنی بے بسی کا علاج
وہ کیا کرے گا مرے دل کی بے کلی کا علاج

زباں ہو تلخ تو یوں رنجشیں پنپتی ہیں
دو بول پیار کے برسوں کی دشمنی کا علاج

اسے تلاش ہے اب خود کسی مسیحا کی
بڑے جتن سے جو کرتا تھا ہر کسی کا علاج

وہ بات بات پہ روٹھے بہت ستائے مجھے
بتاؤ کیا میں کروں اس کی بے رخی کا علاج

جلا کے دل کو مرے مسکرا کے کہنے لگا
کسی طرح سے تو کرنا تھا تیرگی کا علاج

چمٹ گئے ہیں کئی مرض لا دوا اس کو
ہے اب تو موت کے ہاتھوں میں زندگی کا علاج

گھٹا کو دیکھ کے صحرا کی ریت کہنے لگی
چلو کہ تم ہی کرو آ کے تشنگی کا علاج





کھول کر یادوں کی کھڑکی جھانکتا ہوں دیر تک
کون ہے اپنا ' پرایا سوچتا ہوں دیر تک

موندنے لگتی ہے آنکھیں رات بھی تھک ہار کر
کروٹیں لیتا ہوا میں جاگتا ہوں دیر تک

ایسا لگتا ہے طنابیں کٹ گریں گی سانس کی
جب کسی سائے کے پیچھے بھاگتا ہوں دیر تک

آخری سانسوں پہ ہے شاید چراغِ زندگی
چل پڑے غم کی ہوا تو ڈولتا ہوں دیر تک

جب خفا ہو جائے مجھ سے چاہنے والا مرا
باندھ کر پاؤں میں گھنگھرو ناچتا ہوں دیر تک

کوئی چہرہ جھانکنے لگتا ہے پھر قرطاس سے
آڑھی ترچھی جب لکیریں کھینچتا ہوں دیر تک

ایسی قسمت ہی کہاں کوئی گلے سے آ لگے
یوں تو بانہوں کو میں ارشدؔ کھولتا ہوں دیر تک



O

کس کے بدن کی باس ہے مہکی فضا سے پوچھ
"خوشبو کے کتنے رنگ ہیں موجِ ہَوا سے پوچھ"

اس کار زارِ زیست میں کیا کیا نہیں لٹا
کچھ ابتدا سے پوچھ تو کچھ انتہا سے پوچھ

طوفاں کا سامنا بھی ہے موجوں کا شور بھی
کیسے بچے گی ناؤ ذرا ناخدا سے پوچھ

ڈھونڈا نہیں ہے میں نے تجھے کونسی جگہ
چل میری بات چھوڑ تو ارض و سما سے پوچھ

میں نے تو منزلوں کے نشاں دے دیئے تمہیں
اب راستے کی بات کسی رہنما سے پوچھ

آیا تو ہوں میں در پہ ترے مانگنے تجھے
پہنچا ہوں کس طرح سے یہ میری انا سے پوچھ

ارشدؔ تمہارا مسئلہ سمجھا نہیں کوئی
اب پوچھنا ہے جو بھی وہ اپنے خدا سے پوچھ





کبھی آئے جو شامِ غم ذرا سا حوصلہ رکھنا
جدا ہو کر مرے ہمدم ذرا حوصلہ رکھنا

کوئی بھولا ہوا چہرہ تصور میں جو آجائے
نہیں کرنا یہ پلکیں نم ذرا سا حوصلہ رکھنا

دلِ ناداں محبت کا سفر آساں نہیں ہوتا
بہت آئیں گے زیر و بم ذرا سا حوصلہ رکھنا

اُمیدوں کے گلستاں میں خزائیں رقص کرتی ہیں
بدل جائے گا یہ موسم ذرا سا حوصلہ رکھنا

کہا تھا نا، بچھڑنا موت ہے میرے لیے ہمدم
لبوں تک آ گیا ہے دم ذرا سا حوصلہ رکھنا

جلا کر گلستاں کو باغباں تم مسکراتے ہو ؟
پرندے جب کریں ماتم ذرا سا حوصلہ رکھنا

یوں لگتا ہے رباب زندگی رکنے کو ہے ارشدؔ
صدائے دل ہوئی مدہم ذرا سا حوصلہ رکھنا



جب تری یاد کا اس دل میں شرارہ ناچے
"صبح کی آنکھ ہنسے شام کا تارا ناچے"

اے شبِ غم مجھے کچھ دیر تو سو لینے دے
مری پلکوں پہ کوئی خواب کنوارا ناچے

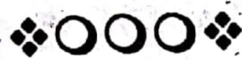
پیار کا کھیل بھی اوروں سے نرلا دیکھا
کوئی تو جیت کے روئے کوئی ہارا ناچے

بس یہی سوچ کے پیکر تو میسّر ہوگا
گھومتے چاک پہ رکھا ہوا گارا ناچے

میں بھلا کیسے یقیں کر لوں کوئی غیر ہے تُو
تیری آنکھوں میں محبت کا اشارہ ناچے

گردشِ وقت سے نکلوں بھی تو کیسے نکلوں
میری قسمت کا بہت دور ستارہ ناچے

اب جو کم ہونے لگی دل کی اُداسی ارشدؔ
اُس سے کہہ دو کہ وہ اک بار دوبارہ ناچے





آئینے میں دراڑ سی کیوں ہے
"دل کی بستی اُجاڑ سی کیوں ہے"

میں نے ایسا بھی کیا کہا ہے تجھے
تیرے لہجے میں دھاڑ سی کیوں ہے

جس میں کنکر سا حوصلہ بھی نہیں
اُس کی قامت پہاڑ سی کیوں ہے

عکس یادوں کے ہوگئے مدہم
دل کے شیشے پہ جھاڑ سی کیوں ہے

کس بلا نے ڈرا دیا ہے تمہیں
چاروں جانب یہ باڑ سی کیوں ہے

کیسے کاٹوں اسے نہیں کٹتی
یہ جدائی پہاڑ سی کیوں ہے

کل جو گلشن مثال تھی ارشد
آج بستی کباڑ سی کیوں ہے



○

دھیمی دھیمی سی بے کلی کیوں ہے
میرے جیون میں کچھ کمی کیوں ہے

کچھ تو کہتی ہیں بولتی آنکھیں
بات ہونٹوں پہ آ رُکی کیوں ہے

اُس کو غم ہے جو میرے لٹنے کا
اُس کی آنکھوں میں پھر ہنسی کیوں ہے

میں ہوں صحرا مرا نصیب ہے یہ
کیا بتاؤں کہ تشنگی کیوں ہے

لاکھ پیکر حسیں اُس سے مگر
دل کی حسرت وہ اجنبی کیوں ہے

مثلِ برگِ خزاں ہوں اور ہَوا
مجھ کو راہوں میں رولتی کیوں ہے

نور آنکھوں کا لُٹ گیا ارشدؔ
اب میں سمجھا کہ تیرگی کیوں ہے





ملنے ملانے کے جونہی اسباب مر گئے
ہم آرزوئے دید میں بے تاب مر گئے

اُتریں گذشتہ رات تھیں آنکھوں میں خواہشیں
ٹوٹی جو میری نیند تو کچھ خواب مر گئے

عُریانیوں کا رقص ہے منظر نگاہ کا
لگتا ہے مری قوم کے آداب مر گئے

رکھا گیا تھا قید میں پر کاٹ کر جنہیں
کُنجِ قفس میں طائرِ نایاب مر گئے

پہلے لحد میں ماں کو اُتارا گیا کہ بس
پھر یوں ہوا کہ سب مرے احباب مر گئے

پہنا زمیں نے جب سے کڑی دھوپ کا لباس
پتے بھی خشک ہو گئے تالاب مر گئے

ارشدؔ دیارِ شوق میں پہنچا ہوں کس طرح
ایسا ہُوا ہوں چُور کہ اعصاب مر گئے





بدلا نہ مری آنکھ کا منظر تمام رات
پلکوں سے کھیلتے رہے گوہر تمام رات

اُنگلی پکڑ کے یاد تری لے گئی مجھے
لیٹا رہا ہے کروٹیں بستر تمام رات

اِک جل پری کا خواب تھا آنکھوں کی جھیل تھی
گرتے رہے ہیں صحن میں پتھر تمام رات

جگنو تھا رہنما نہ کوئی راہ میں چراغ
لگتی تھی گام گام پہ ٹھوکر تمام رات

تم قصرِ شب میں سو گئے کمخواب اُوڑھ کر
گلیوں کو ناپتے رہے بے گھر تمام رات

اب پوچھتے ہو کیا مجھے اُلجھن میں ڈال کر
آنکھوں میں کٹ گئی مری کیونکر تمام رات

پنچھی نڈھال آ گرا ارشدؔ زمین پر
اُڑتا رہا ہواؤں میں شہپر تمام رات





اس خزاں میں کہاں سے لائیں پھول
آؤ کاغذ کے ہم بنائیں پھول

سوچتے ہیں تمہاری راہوں میں
اپنی پلکیں یا پھر بچھائیں پھول

جو خزاؤں کی زد میں آئیں گے
لے اُڑئیں گی وہی ہوائیں پھول

اُوس دھوتی رہی بدن میلے
"اور دیتے رہے دعائیں پھول"

ہاتھ کانٹوں نے کر دیئے چھلنی
کتنی حسرت تھی ہم اُگائیں پھول

جیسے شاخوں سے خار کرتے ہیں
ایسے کرتے ہیں کب وفائیں پھول

دل کی حسرت ہے آج بھی ارشدؔ
اُس کے جوڑے میں ہم سجائیں پھول





شب سیاہ میں آیا تھا روشنی کی طرح
بدل گیا ہے راہیں وہ اجنبی کی طرح

جھٹک کے ہاتھ کہاں چل پڑے ہو یار مرے
بڑے خلوص سے ڈالی تھی دوستی کی طرح

گرائے آنکھ سے آنسو کبھی نہیں میں نے
ہر ایک غم کو سنبھالا ہے زندگی کی طرح

اُسی کے عکس نے منظر اُجال رکھے ہیں
جو مری آنکھ میں رہتا ہے روشنی کی طرح

وہ شوخ سیمیں بدن جب کلام کرتا ہے
گلابی ہونٹ بھی کھلتے ہیں پنکھڑی کی طرح

تری تلاش میں خود کو گنوا کے اب ارشد
میں اپنے شہر میں رہتا ہوں اجنبی کی طرح،،





اس دلِ بے تاب سے آگے کی سوچ
زندگی کے باب سے آگے کی سوچ

نیند جو ٹوٹی ہے آدھی رات کو
چل ادھورے خواب سے آگے کی سوچ

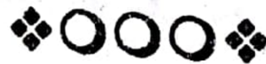
بازوؤں میں دم بھی ہے پتوار بھی
ناخدا گرداب سے آگے کی سوچ

کیسے کیسے شہر ویراں ہو گئے
وادیٔ شاداب سے آ گے کی سوچ

کل کے دشمن آج تیرے دوست ہیں
اب ذرا احباب سے آگے کی سوچ

جو تری پلکوں پہ ٹھہرا ہے ابھی
گوہرِ نایاب سے آگے کی سوچ

کب تمھیں آئے گی ارشدؔ یہ بتا
اِک رخِ مہتاب سے آگے کی سوچ





ہوتا نہیں ہے ایک سا ہر آدمی کا شوق
پالا ہے دشمنوں سے بھی اب دوستی کا شوق

پھر یوں ہوا کہ پاؤں میں زنجیر پڑ گئی
اِک عمر تک رہا مجھے آوارگی کا شوق

اے موت مرے رو برو آنا یہ سوچ کر
خطروں سے کھیلنا ہے مری زندگی کا شوق

سورج سے دوستی بڑی مہنگی پڑی مجھے
آنکھیں بجھا گیا ہے مری روشنی کا شوق

گھیرا ہوا ہے اس طرح موجوں کے شور نے
لے آیا کس مقام پر اِک جل پری کا شوق

ہر لمحہ اضطراب میں کٹتی ہے زندگی
کچھ دن رہا ہے مجھ کو بھی اس آگہی کا شوق

ارشد اب نگاہ میں جچتا نہیں کوئی
آنکھوں کو پڑ گیا ہے بس اِک اجنبی کا شوق





تمہاری یاد کے جب بھی شرارے رقص کرتے ہیں
مری پلکوں کی ڈالی پر ستارے رقص کرتے ہیں

میں کھیلوں کس طرح پھر سے نئی بازی محبت کی
ابھی تک روح میں پچھلے خسارے رقص کرتے ہیں

ہَوا اٹکھیلیاں کرتی ہوئی جب چومنے آئے
حسیں چہرے پہ پھر گیسو تمہارے رقص کرتے ہیں

کسی نے سچ کہا تھا یہ زمانہ ایک تھیٹر ہے
یہاں سب پیٹ کی خاطر بچارے رقص کرتے ہیں

بڑا ہے زعم تجھ کو ناخدا کے زورِ بازو پر
سفینہ ڈولتا ہے جب کنارے رقص کرتے ہیں

اماوس اوڑھ کر ماہتاب جس دم ڈوب جاتا ہے
کنواری شب کے آنچل پر ستارے رقص کرتے ہیں

جونہی پرواز کرتا ہے تخیل کا ہما ارشدؔ
زمیں سے آسماں تک سب نظارے رقص کرتے ہیں





اب اُس کے لوٹ آنے کا نہیں امکان آہٹ پر
مچلتا کس لئے ہے اے دلِ نادان آہٹ پر

ہوا کی سرسراہٹ کو سمجھ کر چاپ قدموں کی
کسی نے خامشی کر دی ہے یوں قربان آہٹ پر

ہر اک دستک پہ در کھولا نظر کوئی نہیں آیا
رہے گا کس طرح سے اب مرا ایقان آہٹ پر

کسی پائل کی چھن چھن کی صدا ایسی نہیں ہوتی
کہ اب کی بار ٹوٹا ہے مرا گلدان آہٹ پر

کوئی عہدِ وفا اس نے نبھایا ہی نہیں اب تک
مرا دل کس لیے ہونے لگا ہلکان آہٹ پر

کچھ ایسا خوف پھیلایا ہوا ہے بم دھماکوں نے
نکل جاتی ہے اب ارشد ہماری جان آہٹ پر



O

ہوا اٹکھیلیاں کرنے لگی ہے گھر کی چوکھٹ پر
میں کیوں در کھولنے جاؤں بھلا ہر ایک آہٹ پر

تری پلکوں کی ڈالی پر ستارے جب چمکتے ہیں
کوئی دل بیٹھ جاتا ہے پھر ان کی جھلملاہٹ پر

کبھی منزل سے پہلے حوصلہ گر ہار جائے تو
کہ رستے مسکراتے ہیں مسافر کی تھکاوٹ پر

وہ جس نے خاک کے پُتلے کو پھر سے خاک کر ڈالا
اُسی کا نام لکھا ہے ہمارے دل کے لاکٹ پر

چراغِ زیست بجھنے تک رہیں گی منتظر آنکھیں
صبا پیغام لائی ہے کہ وہ آئے گی پنگھٹ پر

گلابی ہونٹ ایسے ہیں کہ جیسے پنکھڑی گُل کی
میں دل کو ہار بیٹھا ہوں تمہاری مسکراہٹ پر

عجب سی تیرگی پھیلی ہوئی ہے چار سُو ارشد
"دکھائی کچھ نہیں دیتا مگر ہیں کان آہٹ پر"



O

ہونٹ مصرعے ہیں تری آنکھیں غزل
سوچ میں بھر کر تمہیں لکھیں غزل

شاعری قدرت کی ہے پیکر ترا
تجھ کو دیکھیں یا کہ ہم دیکھیں غزل

بس جہانِ شعر کی ملکہ ہو تم
اس لئے تو ہم تمہیں سوچیں غزل

تجھ سے بڑھ کر کیا سخنور ہو کوئی
تیرے جملے شعر ہیں باتیں غزل

جو نہ سمجھیں شاعری کی "شین" کو
دوسروں کی کس لئے پڑھیں غزل

یوں ریاضت کا صلہ مل جائے گا
گر کبھی اِک بار وہ سن لیں غزل

ہر شبِ تنہائی میں ارشدؔ ملے
مجھ کو اپنی کھول کر بانہیں غزل





کس نے رکھے ہیں دُعاؤں میں چراغ
جل رہے ہیں جو ہواؤں میں چراغ

کیا ہوا گر راستے تاریک ہیں
ہم نے بھی باندھے ہیں پاؤں میں چراغ

میری پلکوں پر ستارے دیکھ لو
ایسے جلتے ہیں گھٹاؤں میں چراغ

لوٹ آئیں گے اُجالے ایک دن
ہم نے رکھے ہیں صداؤں میں چراغ

مل گئی سارے جہاں کو روشنی
جب ہوئے روشن گپھاؤں میں چراغ

ایسا لگتا ہے کہ منزل آ گئی
وہ نظر آتے ہیں گاؤں میں چراغ

لو سحر پھوٹی مسافر چل دیئے
بجھ گئے ارشد سراؤں میں چراغ





ہر خوشی بے وفا ہے وفا دار غم
میں نے پالے نہیں یونہی بے کار غم

تیری سانسوں کی خوشبو بھی آنے لگی
جب خریدے کسی سے بھی دو چار غم

کیسے جاؤں سرِ شام گھر لوٹ کر
بانہیں کھولے کھڑے ہونگے تیار غم

اِس جہاں میں سبھی ہیں مخالف مرے
ایک تُو ہی فقط ہے طرفدار غم

چھوڑ دے چھوڑ دے جاں مری چھوڑ دے
ہو گیا ہوں بہت اب میں لاچار غم

مثلِ ارشدؔ کوئی اور بھی ہے کہ جو
اِس طرح سے اُٹھائے ترے بارِ غم





اُس کے ہونٹوں پر رواں شعلہ بیانی اور ہے
اور جو چہرہ کہہ رہا ہے وہ کہانی اور ہے

میری پلکوں کی مُنڈیروں پر جلاتا ہے دیئے
اشک بن کر آنکھ میں اُترا یہ پانی اور ہے

دل تُو اپنا لے گیا تھا مجھ سے واپس چھین کر
پاس میرے اب بھی تیری اِک نشانی اور ہے

پاؤں کی ٹھوکر پہ رکھتے ہیں زمانے کو میاں
ہم فقیروں کی جہاں میں راجدھانی اور ہے

بس تسلسل سانس کا تو زندگی ہوتا نہیں
کیا خبر تجھ کو حقیقی زندگانی اور ہے

جام آنکھوں کے چھلکتے ہیں کسی کی یاد میں
اب کے بہتے آنسوؤں کی ترجمانی اور ہے

کچھ دنوں ارشدؔ رہا ہوں مرکزی کردار میں
وہ کہانی اور تھی اور یہ کہانی اور ہے





اس طرح اُس نے کیا ہے دل کا شیشہ پاش پاش
جس طرح بچہ کرے کوئی کھلونا پاش پاش

رنگ لاتی جا رہی ہیں اب عدو کی سازشیں
رفتہ رفتہ ہو رہا ہے سب گھرانہ پاش پاش

قد و قامت سے نظر آتا ہے جو مضبوط تر
کون جانے کہ وہ اندر سے ہو کتنا پاش پاش

دے نہیں سکتے ہو گر تم کچھ اُسے خیرات میں
کیوں فقیرِ شہر کا کرتے ہو کاسہ پاش پاش

جب مرے دل میں کبھی آتا ہے ہجرت کا خیال
آ کے تیری یاد کرتی ہے ارادہ پاش پاش

روز میں پلکیں بچھا رکھتا ہوں اُس کی راہ میں
روز وہ کرتا ہے ارشدؔ اپنا وعدہ پاش پاش





نشیلی آنکھ سے ٹپکے گا جب لہو مرے بعد
کسی بھی کام نہ آئے گی ہاؤ ہو مرے بعد

گنوا کے مجھ کو تمہیں چین آ نہیں سکتا
خود اپنے آپ کو ڈھونڈو گے کُو بہ کُو مرے بعد

سُنا ہے کھول کے بانہیں لپٹ گیا اُس سے
وہ آئینے کے ہوا جب بھی روبرو مرے بعد

تمہاری ڈھال ہوں میں اس لئے پریشاں ہوں
کہیں پہ زیر نہ کر لیں تمہیں عدو مرے بعد

کچھ اس طرح سے اُسنے ٹوٹ کر ہے پیار کیا
کسی کا ہو نہ سکے گا وہ خوبرو مرے بعد

یہاں کے لوگ بھی اُس کے زباں شناس نہیں
نجانے کس سے کرے گا وہ گفتگو مرے بعد

تمہی کو سونپ کے جاؤں گا چاہتیں ارشدؔ
تمہی نے پیار کی رکھنی ہے آبرو مرے بعد





ہاتھ کی لکیروں میں گر لکھے مقدر ہیں
لوگ دربدر یونہی ڈھونڈتے مقدر ہیں

بے نشان منزل کی جستجو میں نکلے تھے
حسرتوں کا صحرا ہے راستے مقدر ہیں

آنکھ کے تصادم میں نیند روٹھ جاتی ہے
چاہتوں کی وادی میں رتجگے مقدر ہیں

دل سے دل ملے پھر بھی دوریاں رہیں باقی
کیا گلہ کریں تم سے فاصلے مقدر ہیں

کارزارِ اُلفت میں ہم نے یہ بھی دیکھا ہے
حوصلوں کے ہوتے بھی ہارتے مقدر ہیں

کوئی بیج بوتا ہے کوئی پھول چُنتا ہے
سب کے ایک جیسے ہی کب ہوئے مقدر ہیں

تُند و تیز موجوں سے سر پٹختی رہتی ہیں
کشتیاں نہیں ارشد ڈوبتے مقدر ہیں



○

صدا اُس نے دل کی سُنی تو نہیں نا
اِسی واسطے وہ رکی تو نہیں نا

کئی دن سے بارش نے گھیرا ہُوا تھا
یہ دیوار یونہی گری تو نہیں نا

مرا رازداں کچھ خفا ہو گیا ہے
محبت کی خوشبو اُڑی تو نہیں نا

بدل کر نگاہیں کہاں جا رہے ہو
کوئی بات میں نے کہی تو نہیں نا

یونہی بے سبب نہ گریزاں ہُوا کر
مرے یار تُو اجنبی تو نہیں نا

تمہارے بنا سانس تو لے رہا ہے
مگر یہ کوئی زندگی تو نہیں نا

بھلا دوں گا ارشدؔ میں شہرِ تمنا
مگر ایک اُس کی گلی تو نہیں نا



○

رکو تم ابھی دن چڑھا تو نہیں نا
ملاقات سے دل بھرا تو نہیں نا

وہاں اب چڑیلوں نے گھر کر لیا ہے
حویلی میں کوئی گیا تو نہیں نا

ہواؤں نے تیور جو بدلے ہوئے ہیں
مرے طاقچے میں دیا تو نہیں نا

یہ تیشہ گری مرا دستِ ہنر ہے
کسی بت کو سجدہ کیا تو نہیں نا

جو چاہت کی باتیں کیے جا رہے ہو
یہ دیوار و در نے سُنا تو نہیں نا

گلابی سے عارض جو کملا گئے ہیں
غموں کی ہوا نے چھوا تو نہیں نا

جدا ہو کے بھی میں تمہارا ہوں ارشدؔ
کسی اور کا ہو سکا تو نہیں نا





گِلے کیا ہیں دل کے سنے تو نہیں نا
کہ جاتے ہوئے تم ملے تو نہیں نا

تمہیں کیا پتہ شب گزرتی ہے کیسے
کبھی رات بھر تم رکے تو نہیں نا

تہی دست لوٹا ہوں بازار سے میں
وفاؤں کے سکے چلے تو نہیں نا

شجر کاری صحرا میں کرتا رہا ہوں
کہ چاہت کے پودے اُگے تو نہیں نا

تمہیں رو کے مانگا تھا میں نے خدا سے
مناجات سے تم ملے تو نہیں نا

لبوں کی مُنڈیروں پہ بیٹھے ہوئے ہیں
دعاؤں کے پنچھی اُڑے تو نہیں نا

شب و روز میں کچھ تغیر ہے ارشدؔ
جدا ہو کے دونوں مرے تو نہیں نا



○

کونسی دل میں ہے آرزو اجنبی
آؤ بیٹھو کریں گفتگو اجنبی

شام سے پڑھ رہا ہوں میں آنکھیں تری
مثلِ جاناں ہے تُو ہو بہو اجنبی

تجھ سے وعدہ ہے دل میں اُتاروں گا میں
پہلے اشکوں سے ہو با وضو اجنبی

دفعتاً آئینے پہ نظر جب پڑی
یوں لگا ہو کھڑا روبرو اجنبی

موسموں میں تغیر وہ برپا ہُوا
اب تو لگنے لگے رنگ و بُو اجنبی

دل دہلتا ہے دیکھوں جو آنکھیں تری
مجھ کو مجھ سے چُرا لے گا تُو اجنبی

کس نگر لے کے آئے ہو ارشدؔ مجھے
سارے چہرے مرے چارسُو اجنبی



○

جس کو دل نے کہا ہی نہیں الوداع
کہہ گیا ہے وہ دل کا مکیں الوداع

چھوڑ کر تو نے جانا ہی تھا ایک دن
اے حسیں دلنشیں نازنیں الوداع

زندگی پھر سے لائی اُسی موڑ پر
کوئی پہلے ہوا تھا یہیں الوداع

میرا کیا ہے بدن لے کے جاتا ہوں میں
یہ پڑی تیرے در پہ جبیں الوداع

ایک دھڑکا سا رہتا ہے شام و سحر
کہہ نہ جائے مجھے تو کہیں الوداع

حوصلہ ہی نہیں اب رہا ضبط کا
میری پلکوں پہ ٹھہرے نگیں الوداع

اس نے اس پل یہ چپکے سے ارشد کہا
رات ہونے لگی جب حسیں الوداع





جس نے ہنستے ہوئے بس کہا الوداع
میں نے رو رو کے اُس کو کیا الوداع

جونہی تجدیدِ اُلفت کا پوچھا گیا
میرے ہاتھوں پہ اُس نے لکھا الوداع

چل بدلتے ہیں راہیں اِسی موڑ سے
میں گنہگار تُو پارسا الوداع

میری بے چین میت سکوں پا گئی
چھو کے اُس نے کہا ، دوستا الوداع

رات سرگوشیوں میں کٹی دن چڑھے
کہہ رہا تھا ہوا سے دیا الوداع

اُس کو دیکھا تو دل نے کہا مرحبا
اُس کی آنکھوں میں ارشدؔ پڑھا الوداع





جس نے ہنستے ہوئے بس کہا الوداع
میں نے رو رو کے اُس کو کیا الوداع

جونہی تجدیدِ اُلفت کا پوچھا گیا
میرے ہاتھوں پہ اُس نے لکھا الوداع

چل بدلتے ہیں راہیں اِسی موڑ سے
میں گنہگار تُو پارسا الوداع

میری بے چین میت سکوں پا گئی
چھو کے اُس نے کہا ، دوستا الوداع

رات سرگوشیوں میں کٹی دن چڑھے
کہہ رہا تھا ہوا سے دیا الوداع

اُس کو دیکھا تو دل نے کہا مرحبا
اُس کی آنکھوں میں ارشدؔ پڑھا الوداع





ملا کر ہاتھ میں نے اجنبی سے
محبت کر لی ارشدؔ زندگی سے

شبِ ہجراں اِسی اُمید پر ہوں
اُجالا پھوٹتا ہے تیرگی سے

ہمارے ضبط کو مت آزماؤ
یہ پتھر ٹوٹتا ہے کب کسی سے

اُسے آنکھیں چھپکنا پڑ گئی ہیں
نظر جس نے ملائی روشنی سے

ابھی تو ہوں تمہاری دسترس میں
نکل جاؤں گا اک دن خامشی سے

یونہی گر بے رخی کرتے رہے تم
یقیں اُٹھنے لگے گا دوستی سے

چٹخنے لگ گئے ہیں ہاتھ اب تو
ملا کچھ بھی نہیں تیشہ گری سے



○

وقتِ رخصت ہے دل کی دُعا دوستا
مسکراتا رہے تُو سدا دوستا

سامنے ہے جدائی کا لمبا سفر
لے جا یادوں کا تُو آسرا دوستا

جب مری دید کو دل ترسنے لگے
آئینہ دیکھ لینا ذرا دوستا

میرے دل کو یقیں ہے کسی موڑ پر
پھر ملائے گا ہم کو خدا دوستا

بن گیا ہے اثاثہ مرے واسطے
وقت جو ساتھ تیرے کٹا دوستا

سچ کہوں تو ذرا بھی خبر نہ ہوئی
کس گھڑی میں ترا ہو گیا دوستا

یونہی کھویا تھا ارشدؔ تری یاد میں
ہنستے ہنستے ہوئے رو پڑا دوستا



○

شور آنکھوں میں تھا شرارت کا
درد دل نے سہا محبت کا

جس گھڑی چھوڑ کر گیا تھا مجھے
وقت وہ بھی تھا اِک قیامت کا

رسمِ دنیا کو توڑ ڈالے گا
دل نے سوچا ہے اب بغاوت کا

بعد مرنے کے لوگ پوچھیں گے
تم سے قصہ مری محبت کا

رخِ روشن کو دیکھنے دو ذرا
میں تو عادی ہوں اِس تلاوت کا

دل کے بدلے میں دل نہیں لیتے
کام کرتے نہیں تجارت کا

آنکھوں آنکھوں نے کچھ کہا ارشدؔ
سلسلہ چل پڑا محبت کا





بے بسی ہے شام کی دہلیز پر
تیرگی ہے شام کی دہلیز پر

آ رہی ہیں اب صدائیں موت کی
زندگی ہے شام کی دہلیز پر

صبح دم جس روشنی پہ ناز تھا
اب کھڑی ہے شام کی دہلیز پر

کون سمجھے گا عبارت درد کی
جو لکھی ہے شام کی دہلیز پر

پھر کسی کی یاد سے مہکی ہَوا
آ رکی ہے شام کی دہلیز پر

اُس کے لہجے سے عیاں ہونے لگا
دوستی ہے شام کی دہلیز پر

دن ڈھلا تو ہم پہ ارشدؔ یہ کھلا
تشنگی ہے شام کی دہلیز پر



دسمبر تُو نہ آیا کر

دسمبر جب تُو آتا ہے
مرے اِس دل کے آنگن میں
اُداسی رقص کرتی ہے
کبھی یخ بستہ یادوں کی ہوائیں چلنے لگتی ہیں
رگوں میں خون جمتا ہے
کسی کا درد بادل بن کے آنکھوں سے برستا ہے
دسمبر جب تُو آتا ہے
کسی دِن میں کسی شب کو
سکوں کا ایک لمحہ بھی میسر آ نہیں پاتا
مرے چاروں طرف جانے
یہ کیسی دُھند اُترتی ہے
سبھی منظر سبھی چہرے
بہت دھندلانے لگتے ہیں
سجھائی کچھ نہیں دیتا
کروں میں التجا تجھ سے
مرے اِس دل کے آنگن میں
دسمبر تُو نہ آیا کر



کوئی تعبیر دو مجھ کو

مری فطرت میں ہی شاید عجب سی بے قراری ہے
ہزاروں بار سوچا بھی، کہیں سے ڈھونڈ کر لاؤں، سبب اس بے قراری کا
مگر عقدہ یہ ایسا ہے، کبھی مجھ پر نہیں کھلتا
بس اتنا یاد ہے اب تو، مری آنکھوں نے بھی شاید
کبھی دن کے اُجالے میں، کسی اِک جل پری کا خواب دیکھا تھا
مرے من میں کسک جاگی، چلو اس سے کہیں، ہم تم
''محبت بانٹ لیتے ہیں''
وہ میرے روبرو بیٹھی
مرے ہاتھوں کو تھامے دیر تک سنتی رہی رُودادِ غم میری
فقط اتنا کہا اُس نے، ''کبھی میں یاد آؤں تو۔۔۔''
اچانک ہی نجانے کیوں، طلسمِ خواب ٹوٹا کہ
''مری آنکھیں سُلگتی ہیں''
گزرتا ہی نہیں اب تو، ''تمہاری یاد کا موسم''
کہ جب سے خواب ٹوٹا ہے کسی کا ساتھ چھوٹا ہے
نجانے کیا ہوا مجھ کو، سکوں کا ایک لمحہ بھی میسر آ نہیں پایا
یوں لگتا ہے تعاقب میں اُسی اک جل پری کا خواب رہتا ہے
مجھے رو رو کے کہتا ہے، ادھورا خواب ہوں تیرا
کوئی تعبیر دو مجھ کو۔۔۔



تمھاری یاد کا موسم

تمہیں معلوم تو ہوگا
سبھی موسم بدلتے ہیں
کبھی تپتی دوپہریں جون کی
تن من جلاتیں ہیں
کبھی یخ بستہ راتوں کا
دسمبر لوٹ آتا ہے
کبھی پت جھڑ کا موسم خون پیتا ہے درختوں کا
کبھی سوکھی ہوئی شاخوں پہ کلیاں کھلکھلاتی ہیں
خزاں کا دم نکلتے ہی
بہاریں مسکراتی ہیں
تمہیں معلوم تو ہوگا
سبھی موسم بدلتے ہیں
مگر یہ بھی حقیقت ہے
ہمارے دل کے آنگن میں
کسی صورت نہیں بدلا
تمہاری یاد کا موسم



سزا

سنو! لڑکی
یہ تم نے کیا ستم ڈھایا
کہاں لب کھول بیٹھی ہو
یہاں تو ایک مدت سے
کڑے پہرے ہیں سوچوں پر
لبوں پر ہیں پڑے تالے
فقط اِک دائرے میں ہی مقیدرہ کے جینا ہے
سنو! لڑکی
یہاں آنکھیں......
فقط آنسو بہاتی ہیں تمناؤں کی لاشوں پر
اِنہیں سپنے سجانے کی
اجازت ہی نہیں ہوتی
سنو! لڑکی
یہاں کے سب قوی اپنا
الگ دستور رکھتے ہیں، الگ منشور رکھتے ہیں
یہاں کے ناتوانوں پر
اطاعت سب کی لازم ہے
کسی دستور کا منکر
سزائے موت کا حقدار بنتا ہے



محبت بے کنارا ہے

عجب وہ لوگ ہیں ارشد
سمجھتے ہی نہیں ہیں جو، محبت کی حقیقت کو
کوئی اِس کو کہے صحرا، کوئی بولے سمندر ہے
کسی کی سوچ میں دریا، کسی کے واسطے ندیا
کہیں پہ خواہشوں کے ایک جنگل پر
محبت نام لکھا ہے
کہیں پر آس کا گلشن
محبت کا حوالہ ہے
کہیں موجوں سے لڑتی ایک ناؤ کو
محبت کہہ دیا جائے
کسی کے واسطے شاید
محبت اِک جزیرہ ہو
مگر میں تو یہ کہتا ہوں
محبت باعثِ تخلیقِ عالم ہے
محبت کی حدوں کو ناپنا ممکن نہیں ہوتا
مکاں سے لامکاں تک جو بھی ہے
وہ سب محبت ہے
یہی اِک دائمی سچ ہے محبت بے کنارا ہے



مری آنکھیں سلگتی ہیں

لڑکپن کی حسیں رُت میں
مرے چاروں طرف ہر پل
اُمیدوں، آرزوؤں اور اُمنگوں کا
ہمیشہ رقص رہتا تھا
تمناؤں کی شاخوں پر
ہزاروں کونپلیں، کلیاں، شگوفے کھلکھلاتے تھے
مجھے بھی چہچہاتے پنچھیوں کے مدھ بھرے نغمے
بہت مسرور کرتے تھے
کبھی تو رنگ برنگی تتلیوں کا لمس پانے کی
لگن بے چین کرتی تھی
کبھی جگنو پکڑنے کو یہ دل بے تاب رہتا تھا
یہ وہ دن تھے کہ جب سوچیں
بہت آزاد ہوتی ہیں

مگر محدود ہوتی ہیں
زمانے کے جھمیلوں سے ہمیشہ دور رہتا تھا
کہ دن بھر کا تھکا ہارا بدن لے کر
میں جب بستر پہ گرتا تھا
تو شب آغوش میں بھر کر
مجھے لوری سناتی تھی
مری آنکھیں......
مری یہ جل بجھی آنکھیں
جو اُس رُت میں سلامت تھیں
ہزاروں خواب بُنتی تھیں
اُنہی آنکھوں کے آنگن میں
اُسی موسم میں تو اِک جل پری کا خواب اُترا تھا
عجب پُر کیف لمحے تھے
مکان و لامکاں سے بے خبر وہ پل گزارے تھے
کہ پھر انگڑائیاں لیتی ہوئی سورج کی کرنوں نے
مری پلکوں پہ دستک دی
اچانک جب کھلی آنکھیں
لپک کرنوں میں ایسی تھی
مرے سپنے جلا ڈالے
تبھی سے آج تک ہر پل
مری آنکھیں سُلگتی ہیں



مورتی

میں اکثر سوچتا ہوں
کیا کہوں میں کیا لکھوں تجھ کو
ہے کوئی اپسرا تُو یا کہ پھر ہے روپ کی دیوی
تُو جو بھی ہے
حقیقت میں ہے اِک شہکار قدرت کا
کئی صدیاں سفر کر کے
تخیل یوں نکھرتا ہے
یونہی پل میں ترے جیسی کوئی مورت نہیں بنتی
چنبیلی، موتیا، نرگس، گلِ لالہ، کنول، صندل
سبھی کا رس نچوڑا اور ملا کر بھر بھری مٹی
گھما کر چاک کا پہیہ، تراشا اِک حسیں پیکر
تبھی پھولوں کی خوشبو سے، مہکتا ہے بدن تیرا
لبوں کی پنکھڑی اُس نے، بنائی ہے گلابوں سے
یہ کالی ریشمی زلفیں، ہزاروں سال تک ریشم
جمع کر کے بُنی اُس نے
کُتر کر پنکھ موروں کے
تری پلکیں تنی اُس نے
پھر اُس کے بعد کن کہہ کر
مکمل کر دیا تجھ کو

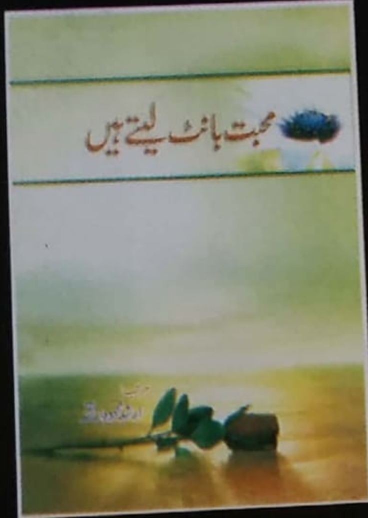


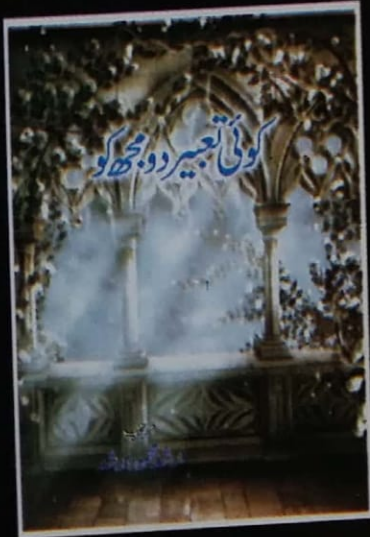
شام کی دہلیز پر

صبح کی جب صدا گونجی
دفعتاً کھلی آنکھیں
مُسکرا اُٹھا سُورج
رات بھر جو دیکھے تھے
خواب اُس کی آنکھوں نے
جگمگا رہے تھے وہ
سب چمکتی کرنوں میں
کُو بکو پھرا دن بھر
ڈھونڈتا تعبیروں کو
بانٹتا اندھیروں میں
ہر گھڑی ضیاؤں کو
روشنی لُٹا کر بھی
خود کو خود گنوا کر بھی
ہاتھ کچھ نہیں آیا
دن کی اِس مشقت سے
چُور چُور لگتا ہے
ٹُوٹا بدن لے کر
دیکھو آ کھڑا وہ
شام کی دہلیز پر









ہماری خواہشوں کا پیڑ اُس نے
ازل سے بے ثمر رکھا ہوا ہے

شام کی دہلیز پر

صبح کی جب صدا گونجی
دفعتاً کھلی آنکھیں
مُسکرا اُٹھا سُورج
رات بھر جو دیکھے تھے
خواب اُس کی آنکھوں نے
جگمگا رہے تھے وہ
سب چمکتی کرنوں میں
کُو بکو پھرا دن بھر
ڈھونڈتا تعبیروں کو
بانٹتا اندھیروں میں
ہر گھڑی ضیاؤں کو
روشنی لُٹا کر بھی
خود کو خود گنوا کر بھی
ہاتھ کچھ نہیں آیا
دن کی اِس مشقت سے
چُور چُور لگتا ہے
ٹُوٹا بدن لے کر
دیکھو آ کھڑا وہ
شام کی دہلیز پر

I.S.B.N 978-969-9408-29-8



Cell: +92-300-4683760
E-mail: fozia_mughal22@yahoo.com
mughal.publishers@gmail.com